الرد علی الرافضۃ

کا پہلا اردو اور سلیس اردو ترجمہ

آئینہ رافضیت

تصنیف

صاحب القاموس المحیط

امام ابوطاہر مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی

(۷۲۹- ۸۱۷ھ)

ترجمہ، تخریج و تحشیہ

محمد ذیشان مصباحی امروہوی

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ناشر

اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن

حیدرآباد، دکن

کتاب

الرد علی الرافضة

(القضاب المشتهر علی رقاب ابن المطہر)

کا پہلا، رواں اور سلیس اردو ترجمہ

آئینۂ رافضیت

تصنیف

صاحب القاموس المحیط

امام ابو طاہر مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی

(۷۲۹-۸۱۷)

ترجمہ، تخریج و تحشیہ

محمد ذیشان مصباحی امروہوی

استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

ناشر

اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدر آباد، دکن

بفیض روحانی: شیخ الاسلام والمسلمین، رئیس المحققین، اشرف المرشدین حضرت علامہ مولانا
سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کچھوچھوی

سلسلہ اشاعت بزبان اردو: ۵۴

نام کتاب : **الرد علی الرافضۃ** (القضاب المشتہر علی رقاب ابن المطہر)
تصنیف : امام مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی شافعی علیہ الرحمہ
اردو ترجمہ : آئینۂ رافضیت
ترجمہ و تخریج و تحشیہ: محمد ذیشان مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
نظر ثانی و تصحیح: مفتی محمد رئیس اختر مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
تقدیم : مفتی توفیق احسن برکاتی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور،
کمپوزنگ : مولانا محمد اسلم مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
تحریک واہتمام: جناب بشارت علی قادری اشرفی، جدہ، حجاز مقدس
سالِ اشاعت: ۲۰۱۹ء / ۱۴۴۰ھ - صفحات : ۸۰
ناشر : اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدر آباد، دکن

ملنے کے پتے

☆ ......: اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدر آباد، دکن-	9502314649
☆ ...... : سنی پبلی کیشنز، دریا گنج، دہلی-	9867934085
☆ ...... : قادری کتب خانہ، گزری بازار، امروہہ -	9412805880
☆ ...... : مکتبہ نور الاسلام، شاہ علی بنڈہ، حیدر آباد-	9966387400
☆ ...... : مدنی فاؤنڈیشن، ہبلی، کرناٹک-	8147678515
☆ ...... : مکتبہ شیخ الاسلام، احمد آباد، گجرات-	9624221212

فہرست مشمولات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

شرف انتساب

امام اعظم ابو حنیفہ

نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غوث اعظم

سید محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہم شبیہ غوث اعظم

سید علی حسین اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان

مجدد اعظم امام اہل سنت

امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

محدث اعظم

سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان

ابو الفیض حافظ ملت علامہ شاہ

عبد العزیز اشرفی محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان

سرکار کلاں

سید مختار اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان

شیخ الاسلام والمسلمین، رئیس المحققین، اشرف المرشدین

حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی

عرض ناشر

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے جو تمام جہانوں کا خالق ومالک ہے۔اور بے شمار درود وسلام شاہِ لولاک، رسول پاک حضرت محمد ﷺ پر،ان کے اہلِ بیت پر، ان کے محبوب اصحاب پر اور ائمہ شریعت وطریقت پر۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت و خلافت اور افضلیت مطلقہ پر اجماع امت ہو چکا ہے،اس پر ہمارے آئمہ واکابرین کی تصریحات بے شمار کتب میں موجود ہیں۔مگر ہر زمانے میں روافض و باطنیہ اس مسئلہ کو عوام میں متنازعہ بنانے کی کوشش کرتے آئے ہیں۔ان کی یہ کوشش ہمیشہ ناکام رہی کیوں کہ علماومشائخ اہل سنت ان کا علمی وعرفانی رد کرتے آئے ہیں۔

محدثِ اعظم ہند، مخدوم ملت حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی (م:۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۰ء) ارشاد فرماتے ہیں:

مرتبہ حضرت صدیق کا ہے یہ سید
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا (فرش پر عرش:۶۶)

محدثین نے جہاں فضائل صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی کتابوں میں باب قائم کر کے احادیث جمع کی ہیں، وہیں اس بات کی بھی وضاحت پیش کی کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ہیں۔جیسا کہ امام بخاری نے صحیح البخاری میں "کتاب الفضائل" میں ایک باب کا عنوان کچھ اس طرح قائم کیا "باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ"۔ فضائل صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مستقل کتابیں تصنیف ہوئی ہیں، ان کتابوں میں بھی اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر احادیث رسول ﷺ و آثار صحابہ و اہل بیت اطہار، محفوظ کیے گئے ہیں۔یہاں ایسی ہی کچھ کتابوں کی تفصیلات افادۂ عامہ کے لیے پیش کی جارہی ہیں:

(۱) الروض الانیق فی إثبات إمامة أبی بکر الصدیق:امام ابی بکر محمد بن

حاتم زنجویہ شافعی (م:۳۵۸ھ)-غالبًا، یہ فضائل صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پہلی جامع کتاب ہے۔امام ابی بکر نے کل ۷۶۳ احادیث و آثار کی روشنی میں حیات اور فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گفتگو فرمائی ہے۔

(۲) عمدة التحقيق فى بشائر آل الصديق: شیخ ابو اسحاق امام ابراھیم بن عامر عبیدی مالکی۔یہ فضائل صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہترین کتاب ہے۔

(۳)الروض الأنيق فى فضل الصديق: امام حافظ جلال الدین شافعی سیوطی (م:۹۱۱ھ)کی مشہور و معروف کتاب ہے۔اس کتاب میں امام سیوطی نے فضائل صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چالیس احادیث جمع کی ہیں۔

علما و مشائخ اولاً افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موضوع پر اپنی کتب عقائد و فضائل میں ضمناً بحث کرتے تھے، مگر جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا اور فتنہ بڑھتا گیا، اس موضوع پر مستقل کتابیں وجود میں آتی گئیں۔چند مشہور و معروف کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱)الرد على الرافضة- عربی: صاحب القاموس المحیط -امام ابو طاہر مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی (م:۸۱۷ھ)کی افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک اہم کتاب ہے جس میں ایک غالی قسم کے رافضی عالم ابن مطہر کے اعتراضات کے جوابات نہایت ہی عالمانہ و فاضلانہ انداز میں دیے گئے ہیں۔

(۲) الجبل الوثيق فى نصرة الصديق- عربی: امام حافظ جلال الدین شافعی سیوطی (م:۹۱۱ھ)کی مشہور علمی کتاب ہے جو آپ نے ایک رافضی کے اعتراضات کے رد میں تحریر فرمائی تھی۔اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن نے ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۵ میں اس کتاب کا اردو ترجمہ علامہ مولانا محمد عارف منظری ازہری صاحب سے کراکر بنام افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شائع کیا تھا۔شہزادۂ فقیہ ملت، علامہ مولانا مفتی ازہار احمد امجدی مصباحی ازہری قبلہ نے اس کتاب پر ایک جامع تقدیم لکھ کر افادیت میں اضافہ فرمایا۔

(۳) الطریقة الاحمدیة فی حقیقة القطع بالأفضلیة-عربی: امام مخدوم محمد ھاشم ٹھٹھوی (م:۱۱۷۴ھ)-اس مبارک کتاب میں حضرت ھاشم ٹھٹھوی نے افضلیت شیخین پر ۵۰۰ سے زائد مرفوع احادیث اور حضرت مولا علی سے کی ۲۸۶ موقوف احادیث جمع فرمائی ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔

(۶) اصدق التصدیق با فضلیة الصدیق (سن تالیف: ۱۱۹۸ھ)-عربی: امام علامہ مخدوم عبدالواحد صدیقی سیویستانی (م:۱۲۲۴ھ)- یہ کتاب حضرت علامہ مفتی عطاء اللہ نعیمی نقشبندی قبلہ کے ترجمہ و تحقیق کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔

(۷) قرة العین فی تفضیل الشیخین: امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م: ۱۱۷۶ھ) کی زبردست معروف و مشہور قلمی یادگار ہے۔

(۸) سر الجلیل فی مسئلة التفضیل: امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م: ۱۲۳۹ھ) کی مشہور تصنیف ہے۔

(۹) دلیل الیقین من کلمات العارفین: نوار لعارفین امام شاہ سید ابوالحسین احمد نوری برکاتی مارہروی (م:۱۳۲۴ھ) کی نایاب تصنیف ہے۔ اس کتاب میں مولانا عادل کان پوری، حضرت علامہ مفتی عبدالغنی لکھنوی فرنگی محلی اور مولانا عبداللہ حسینی بلگرامی کی تقریظات شامل ہیں۔ حضرت نوار لعارفین کی ایک دوسری کتاب بھی اس عنوان پر "سوال و جواب" کے نام سے ہے۔

مجدد اعظم امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی (م: ۱۳۴۰ھ) کے اس عنوان پر متعدّد کتب و رسائل ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱۰) مطلع القمرین فی إبانة سبقة العمرین: متعدّد بار شائع ہوچکی ہے۔

(۱۱) الزلال الانقیٰ من بحر سبقة الاتقیٰ: متعدّد بار شائع ہوچکی ہے۔

(۱۲)غاية التحقيق فی امامة علی و الصديق: متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اس رسالہ کا راقم نے انگریزی ترجمہ کرکے پہلی بار ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء میں شائع کیا تھا۔

(۱۳) تزک مرتضوی (الراعة العنبريه من المجهرة الحيدريه): علامہ مولانا حسن رضا خاں قادری برکاتی (م:۱۳۲۶ھ)۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

(۱۴) شهادة الثقلين بأفضلية الشيخين: اشرف المحققین حضرت علامہ مفتی اشرف سیالوی۔ یہ نہایت تحقیقی کتاب ہے اور افضلیت شیخین کے نام سے مقبول عام ہوئی ہے۔

(۱۵)قران السعدين فی إثبات أفضلية الشيخين و سيدنا عثمان ذی النورين [مع سيف القاهر على قول الطاهر]: مولانا محمد علی مصطفوی حنفی کا تصنیف کردہ ایک اہم رسالہ ہے۔

(۱۶)ضرب ختنین بر منکر افضلیت شیخین: حضرت علامہ مفتی محمد فضل رسول سیالوی کی عمدہ کتاب ہے۔

(۱۷)ضرب حیدری: شیخ الحدیث علامہ مولانا غلام رسول قاسمی قادری کی کتاب ہے۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک زبردست تحقیقی اضافہ اور اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ کئی ایڈیشن شائع ہوکر مقبول ہوئے ہیں۔

(۱۸)افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اجماع امت: عالی جناب فیصل خاں رضوی صاحب کی بے نظیر کتاب ہے جس میں پہلی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک کے ۱۲۰۰ اکابرین امت کے اقوال پیش کیے گئے ہیں۔

(۱۹)سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باطنی خلافت بلافصل اور اولیائے امت: دلیل الیقین من کلمات العارفین مصنفہ نوار لعارفین امام شاہ سید ابوالحسین احمد نوری برکاتی مارہروی (م: ۱۳۲۴ھ) کی کتاب پر تحقیق و اضافہ ہے، جس میں ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی ابتدائیہ بھی لکھا گیا ہے۔ ہمارے دوست جناب فیصل خاں رضوی اس پر کام کر رہے ہیں۔ امسال یعنی

۱۴۴۰ھ/۲۰۱۹ء میں شائع ہونے والی ہے۔

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کتب کی یہ ایک اجمالی فہرست ہے، ورنہ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

"الرد علی الرافضۃ" محدث جلیل- صاحب القاموس المحیط- امام ابو طاہر مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی (م: ۸۱۷ھ) کی کتاب اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے اور اس موضوع پر اولین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ "آئینۂ رافضیت"- "**الرد علی الرافضۃ**" کا پہلا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ امام فیروزآبادی نے بڑے ہی دل کش اور عالمانہ انداز میں یہ کتاب عربی زبان میں رقم فرمائی ہے۔

دور حاضر میں اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگاتے ہوئے میں نے چاہا کہ یہ کتاب برِّ صغیر کے اردو خواں اہل ذوق کی خدمت میں پیش کی جائے۔ میری اس خواہش اور اہم علمی و دینی ضرورت کے پیش نظر فاضل نوجوان- حضرت مولانا محمد ذیشان مصباحی امروہوی صاحب [استاذ، الجامعۃ الاشرفیۃ، مبارکپور] نے اس کتاب کا اردو زبان میں انتہائی شستہ، سلیس اور رواں ترجمہ کیا اور تخریج کے ساتھ ضروری مقامات پر بیش قیمت حاشیہ بھی لگایا، فہرست اور حالات مصنف کا بھی اضافہ فرمایا جس سے کتاب کی افادیت دوبالا ہوگئی۔

میں ممنون و مشکور ہوں حضرت علامہ مفتی **محمد رئیس اختر مصباحی** مد ظلہ العالی [استاذ، الجامعۃ الاشرفیۃ، مبارکپور] کا جنھوں نے کتاب کی اصلاح کی اور نظر ثانی فرمائی اور خاص کر حضرت علامہ مفتی **توفیق احسن برکاتی** مصباحی مد ظلہ العالی [استاذ، الجامعۃ الاشرفیۃ، مبارکپور] کا جنھوں نے علمی و تحقیقی، دلائل و براہین سے مزین ایک گراں قدر تقدیم رقم فرما کر کتاب کی اہمیت کو اجاگر کر دیا۔

اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن اپنے اشاعتی منصوبوں کے تحت الحمد للہ! ۱۲۵ سے زائد عنوانات پر کام کروا چکی ہے اور مختلف اہم عربی کتب و رسائل کا اردو ترجمہ کرانے کی

سعادت حاصل کی ہے، یہ کتاب اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن کی ۵۴ ویں اشاعتی پیش کش ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اس خدمت کو قبول فرمائے، ہر کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے، ناشرین و اراکین ''اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن'' کو مزید دینی و علمی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور احباب اہل سنت کے لیے اس کتاب کو نفع بخش بنائے! آمین بجاہ النبی الامین ﷺ!

فقیر غوثِ جیلاں و سمناں
محمد بشارت علی صدیقی اشرفی
جدّہ شریف، حجاز مقدس۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عرضِ حال

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ رافضیت وشیعیت، جس مہلک ہتھیار سے بھولے بھالے عوام اہل سنت پر حملہ آور ہوتی ہے وہ ہے "سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کے متعلق افضلیت مطلقہ کا اعتقاد"۔ اور اس اعتقاد کے اساسی وبنیادی مقدمات نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کی قرابت اور دیگر جزوی فضائل ومناقب ہیں، جن کی بنا پر یہ فرقہ خود ساختہ قواعد وضوابط ترتیب دے کر الٹے سیدھے نتائج عوام کے سامنے پیش کردیتا ہے، اور کبھی کبھی سادہ لوح عوام بھی ان کی باتوں میں آکر اہل بیت کی آڑ میں صحابہ کرام کے متعلق نازیبا اور غیر مناسب باتیں کرنے لگ جاتے ہیں، خاص کر ان دنوں کچھ بلوائیوں نے جو طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ ان کے مکروفریب کا پردہ چاک کرکے بھولے بھالے مسلمانوں کے عقیدے کی حفاظت کی جائے اور علمائے اہل سنت نے ان کے رد میں عربی یا فارسی زبان میں جو کتابیں تحریر کی ہیں انھیں اردو کا جامہ پہنا کر منظرِ عام پر لایا جائے تاکہ ہندوپاک کے عوام اہل سنت بھی ان سے مستفید ہوسکیں۔

اس تعلق سے میں نے جناب بشارت علی صدیقی صاحب سے رابطہ کیا، انھوں نے صاحب القاموس المحیط علامہ مجد الدین فیروز آبادی کی مایہ ناز تصنیف "الرد علی الرافضہ" کے ترجمے کی پیش کش کی، میں نے قبول کرلی اور وقت نکال کر اس کتاب کا ترجمہ کرنا شروع کیا، جو بحمد اللہ اب آپ کی ہاتھوں میں ہے۔

دراصل علامہ فیروز آبادی کے زمانے سے کچھ پہلے شیعوں کے اس وقت کے بڑے عالم "حسن بن یوسف، ابن مطہر (۶۴۸ھ-۷۲۶ھ)" نے مسئلہ امامت وخلافت کو لے کر ایک کتاب بنام "منهاج الكرامة في معرفة الإمامة" تحریر کی جس میں اس نے اپنے مفروضہ قواعد وضوابط کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ

ہی خلافت کے اولیں حق دار تھے۔ علامہ فیروز آبادی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اس کی غیر معیاری باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف بعض دلائل کارد فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود زمانہ تالیف سے لے کر اب تک قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی رہی ہے۔ اس وقت اس کی اہمیت وافادیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب کہ رافضیت ہر طرف سے اہل سنت و جماعت پر یلغار کرنے کی کوشش میں ہے۔

اس موقع پر میں حد درجہ ممنون و مشکور ہوں، رفیق گرامی حضرت مفتی محمد رئیس اختر مصباحی دام ظلہ العالی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا، جنھوں نے کثرت اشتغال کے باوجود پوری کتاب کی تصحیح اور نظر ثانی کا کام بڑی محنت سے کیا۔

اور میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ حضرت مفتی توفیق احسن برکاتی، دام ظلہ العالی، استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے کتاب پر ایک گراں قدر علمی و تحقیقی مقدمہ تحریر فرماکر کتاب کی اہمیت وافادیت میں چار چاند لگا دیے۔

اور ساتھ ہی میں شکر گزار ہوں محترم بشارت علی اشرفی صدیقی صاحب کا، جنھوں نے کتاب سے استفادہ کو عام سے عام تر کرنے کے لیے اس کے اردو ترجمہ کو منظر عام پر لانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اللہ تعالی ان تمام حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین

چوں کہ ہمیں اپنی بے مائگی اور کم علمی کا بھر پور احساس ہے؛ اس لیے اگر کوئی خامی نظر آئے تو اسے ناچیز کی قصور فہم پر محمول کرتے ہوئے اطلاع فرمائیں۔ باقی تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

وصلی اللہ تعالی علی سیدنا خیر خلقه محمد وعلی آله وأصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

محمد ذیشان مصباحی
خادم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
Mobile:9410047084
Email: mohdzishan143@gmail.com

حالاتِ مصنّف

امام ابو طاہر

مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی

نام ونسب: ابو طاہر مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر شیرازی، فیروز آبادی۔

ولادت: آپ ربیع الآخر ۷۲۹ھ کو ایران کے علاقے ”کارزین“ میں پیدا ہوئے، اور ایران ہی کے شہر فیروز آباد کی طرف نسبت کرتے ہوئے فیروز آبادی کہلائے۔

تعلیم وتربیت: علامہ فیروز آبادی کی نشو ونما ایک دینی وعلمی گھرانے میں ہوئی، آپ کو اللہ رب العزت نے بڑی ذہانت وفطانت سے نوازا تھا، سات سال کی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا، خود آپ کے والد گرامی سراج الدین یعقوب بن محمد، شیراز میں لغت وادب کے متبحر عالم کی حیثیت سے معروف ومشہور تھے، انھوں نے پہلے آپ کو لغت وادب کی تعلیم دی، اور پھر شیراز کے ہی جلیل القدر علما کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہو گئے۔ وہاں آپ نے عبد اللہ بن محمود بن نجم کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا، جب کہ ”صحیح بخاری“ اور جامع ترمذی، ابو عبد اللہ محمد یوسف انصاری زَرَندی مدنی سے سماعت کی، مگر چوں کہ شروع سے ہی زیادہ تر توجہ ”لغت“ کی طرف تھی، اس لیے پہلے اسی میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ معاصرین پر سبقت لے گئے، اور اس فن میں آپ کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔

طلب علم کے لیے اسفار: علامہ فیروز آبادی نے طلب علم کے لیے بہت سے اسفار کیے، اکناف عالم کی سیر کی۔ چناں چہ عراق کے شہر ”واسط“ پہنچے اور شہاب احمد بن علی دیوانی سے قراءت عشرہ پڑھی، اس کے بعد بغداد اور وہاں سے دمشق پہنچے، وہاں علامہ تقی الدین سبکی، ان کے صاحب زادے عبد الوہاب، اور ابن خبّاز، ابن قیم ضیائیہ وغیرہ ۱۰۰ ر

سے زائد شیوخ سے سماعتِ حدیث کی۔

اس کے علاوہ "بعلبک" حماۃ، حلب، قاہرہ، غزہ، رملہ کا سفر کیا اور بہت سے جلیل القدر علما و مشائخ سے استفادہ کیا، جن میں ابن بخاری، ابن ہشام نحوی، علائی، یافعی وغیرہ شامل ہیں۔

اور اخیر میں "روم" اور ہندوستان کا بھی سفر کیا، اور وہاں سے یمن کے راستے سے ہوتے ہوئے مکۃ المکرمہ پہنچے، چھ سال قیام کیا، پھر یمن کے شہر "زبید" کا رخ کیا، وہاں کے بادشاہ اسماعیل بن عباس نے آپ کا نہایت پرجوش استقبال کیا اور منصب تدریس پر آپ کو فائز کر دیا بلکہ قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی آپ ہی کے سپرد کر دیا۔ آپ اپنی ذمے داریاں باخوبی بنھاتے رہے، سینکڑوں طالبان علوم بنویہ نے اپنی علمی تشنگی بجھائی، اور وقت کے عظیم محدث کہلائے۔ جن میں علامہ ابن حجر عسقلانی، صلاح صفدی، ابن عقیل اور جمال اسنوی وغیرہ کا نام سرفہرست ملتا ہے۔

آپ کا مقام و مرتبہ: علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"جب بھی آپ کسی شہر میں قدم رنجاں ہوتے تو گل ہائے عقیدت و محبت آپ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے، حدردرجہ تعظیم کی جاتی"۔

قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ خود فرماتے ہیں:

"میں اس وقت تک نہیں سوتا ہوں جب تک ۱۰۰ر سطریں حفظ نہ کرلوں۔"

آپ کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ شاہ مصر سلطان اشرف آپ کے درس میں بیٹھتا اور حدیث سنتا تھا، بلکہ اپنی حسین و جمیل خوب صورت شہزادی کا نکاح بھی آپ سے ہی کر دیا تھا۔

علامہ خزرجی فرماتے ہیں:

"علم حدیث، نحو کی لغت، تاریخ اور فقہ میں آپ اپنے دور کے شیخ تھے۔"

علامہ تقی کرمانی لکھتے ہیں:

"فارسی و عربی دونوں زبانوں میں آپ کی شخصیت بے مثال تھی۔ اور دونوں زبانوں میں نظم و نثر پر یکساں دسترس حاصل تھی۔"

تصانیف: مختلف علوم فنون میں آپ کی متعدّد تصانیف ہیں۔ ان میں کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱) احسن اللطائف فی محاسن الطائف، (۲) الاحادیث الضعیفه، (۳) الاسعاد بالاصعاد إلی درجة الاجتهاد، (٤) اسماء البراح فی اسماء النکاح، (٥) الاشارات إلی ما في کتب الفقه من الاسماء والاماکن واللغات، (٦) الالطاف الخفیة فی اشراف الحنفیة (٧) بصائر ذوی التمییز في لطائف الکتاب العزیز (٨) البلغة فی تراجم ائمة النحو واللغة، (٩) تحبیر الموشین فیما یقال بالسین والشین (١٠) تحفة الابیه فیمن نسب لغیر ابیه، (١١) التخاریج فی فوائد متعلقة باحادیث المصابیح للفراء البغوي، (١٢) تسهیل طریق الوصول الی الاحادیث الزائدة علی جامع الاصول (١٣) الدر الغالي فی الاحادیث العوالی، (١٤) روضة الناظر فی ترجمة الشیخ عبد القادر (١٥) سفر السعادة فی الحدیث والسیرة والنبویة (١٦) الصلات والبشر فی الصلاة علی خیر البشر (١٧) القاموس المحیط (لغت کی مشہور ومعروف کتاب) (١٨) القضاب المشهتر علی رقاب ابن المطهر (جو ترجمہ شدہ آپ کے ہاتھوں میں ہے) (١٩) المرقاة الأرفعيّة فی طبقات الشافعیة. (٢٠) مقصود ذوی الالباب فی علم الإعراب (٢١) النفحة العنبرية فی مولد خیر البریة.

ان کے علاوہ اچھی خاصی تعداد میں اور بھی قلمی یادگاریں ہیں، مزید تفصیل کے لیے "العقد الثمین" ، "الضوء اللامع" ،"هداية العارفين" ، "البدر الطالع"، مفتاح السعادة، اور کشف الظنون کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

وفات: شوال ۸۱۷ھ منگل کی شب، علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا، آپ کا مزار مبارک شیخ اسماعیل جبرتی کے مقبرے میں ہے۔

☆☆☆☆☆

تقدیم

حضرت مولانا مفتی **محمد توفیق احسن برکاتی** مدظلہ العالی

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا و مصلیا و مسلما

اللہ جل شانہ نے حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو انبیاورسل کے بعد جو عظمت و بزرگی بخشی ہے وہ انسانی تصور سے بہت دور کی چیز ہے۔ یہ برتری اور بلندی شان انھیں سید الانبیاء خاتم المرسلین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت ایمان میں زیارت وصحبت ورفاقت کی بنیاد پر حاصل ہوئی ہے جو ان کے بعد تاقیامت کسی کو نہیں ملنے والی۔ شرف صحابیت پانے والا ہر فرد اتنا عظیم اور بلندرتبہ ہے کہ کوئی غیر صحابی ان کی ہمسری کے دعویٰ میں سچا نہیں گردانا جاسکتا۔ تمام صحابہ عادل ہیں، ثقہ ہیں، قابل اکرام ہیں، لائق تحریم ہیں، انھیں گالی گلوج کرنا، ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنا دارین میں حد درجہ رسوائی اور بے غیرتی کا پیش خیمہ ہے۔ نہ وہ غاصب وخائن ہیں، نہ تقیہ باز اور ضمیر فروش، ان میں مداہنت نام کی کوئی چیز پائی جاتی ہے نہ خود غرضی کا رنگ موجود ہے۔ قرآنی شہادت ہے: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ" (سورہ الفتح۔ آیت: ۲۹)

ہر صحابی چراغ ہدایت ہے، اس کی زندگی مشعل راہ ہے، حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان کی رہبری میں کوئی دنیاوی غرض شامل نہیں۔ وہ قرآن مجید کی آیت مبارکہ "رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ" کے مصداق ہیں۔ جماعت صحابہ میں سب

سے بلند درجہ خلفاے اربعہ [حضرت ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان اور علی ابن ابی طالب] رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے اور ان چاروں خلفا میں اول درجہ یارِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا۔ یہ اولیت اجماعی ہے۔ جس میں کسی کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بنا پر انبیاے کرام علیہم السلام کے بعد افضل الناس ہیں۔ علماے اہل سنت کا اس امر پر اجماع ہے کہ انبیاے کرام علیہم السلام کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام بنی نوع انسان میں افضل ترین انسان ہیں۔ امام بن جوزی کہتے ہیں کہ آیت کریمہ "وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ" [الآیۃ] سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ آیت مذکورہ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو "أتقیٰ" یعنی سب سے زیادہ پرہیزگار فرمایا گیا ہے۔

صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"بعد انبیا و مرسلین، تمام مخلوقات الٰہی انس و جن و ملک [فرشتوں] سے افضل صدیق اکبر ہیں، پھر عمر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔" (بہار شریعت، جلد اول، ص:۲۴۱)

سیدنا صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی افضلیت قطعی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"[حضرت سیدنا صدیق و عمر کی افضلیت پر] جب اجماع قطعی ہوا تو اس کے مفاد یعنی تفضیل شیخین کی قطعیت میں کیا کلام رہا؟ ہمارا اور ہمارے مشائخ طریقت و شریعت کا یہی مذہب ہے۔" (مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، ص:۸۱)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ مزید فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان مراتبِ ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقا کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاے عظام سے وہ

جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع واعلیٰ ہے، اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں، لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہوگئیں، اس لیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی علیہ رحمۃ اللہ القوی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کے لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے اور ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۲۸، ص:۶۸۳)

محقق اسلام امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے اپنے رسالے "مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین" میں بے شمار نصوص واخبار واجماع وآثار سے افضلیتِ شیخین کو ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف سے ۲۰۱۲ء میں ۲۸۸ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ اس سے قبل امام احمد رضا قادری نے ایک عظیم وجلیل کتاب شیخین کی افضلیت مطلقہ پر بنام "منتہی التفصیل لمبحث التفضیل" تحریر فرمائی تھی جو نوے اجزا پر مشتمل تھی لیکن افسوس یہ علمی خزانہ کہاں دفن ہوگیا، اس کا کوئی سراغ نہیں۔ "مطلع القمرین" ایک مقدمہ، دوابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پھر ہر باب کے تحت چند فصلیں ہیں۔ باب اول میں تین فصول شامل ہیں: الفصل الاول فی الاجماع، الفصل الثانی فی الآیات، الفصل الثالث فی الاحادیث.

کتاب کا مقدمہ بھی نادر ابحاث پر مشتمل ہے جس میں افضلیت کے معنی کی کامل تحقیق پیش کی گئی ہے اور جامعیت کا پورا خیال رکھا گیا ہے، اس کے مطالعہ سے امام احمد رضا کی شان تحقیق کی داد دینی پڑتی ہے۔ اسی طرح انھوں نے ایک تاریخی رسالہ "الزلال الأنقیٰ من بحر سبقۃ الأتقیٰ" بھی تحریر فرمایا جس میں بالتفصیل حضرات شیخین رضی

اللہ عنہما بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولیت وافضلیت پر گفتگو فرمائی اور کثیر دلائل وشواہد سے مسئلہ مذکور کو منقح کیا ہے، اس عربی رسالے کا اردو ترجمہ تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا قادری علیہ الرحمہ نے بڑے نفیس انداز میں کیا ہے جو مطبوع ہے۔ امام احمد رضا قادری نے شیعوں کے رد میں کئی علمی وتحقیقی رسائل قلم بند فرمائے ہیں، ان میں "رد الرفضة"، "الأدلة الطاعنة فی أذان الملاعنة"، اور "اعالی الافادة فی تعزیة الهند و بیان الشهادة " کافی مشہور ہیں۔ دیگر علمائے اہل سنت نے بھی پچاس سے زائد کتب ورسائل اس موضوع پر تحریر کیے ہیں اور روافض کے باطل وگمراہ کن نظریات کا رد بلیغ فرمایا ہے۔

یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ ہر صحابی کو کسی نہ کسی وصف میں امتیازی شان حاصل ہے جو ایک جزئی فضیلت مانی جاتی ہے۔ خود خلفاء اربعہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف وکمال "صداقت" ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف "عدالت وانصاف پروری" ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا امتیازی کمال ان کی "سخاوت و غنا" ہے اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف ان کی "شجاعت وبہادری " ہے۔ اسی طرح دیگر صحابہ ہیں، مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ "مفسر قرآن"، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ "کثیر الروایات "صحابی ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فقیہ صحابی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب العلم ہیں، داماد رسول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زادہ ہیں۔ لیکن "من كنت مولاه فعلیّ مولاه" یا "انا مدينة العلم وعلیّ بابها" سے ہرگز کلی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ حقائق ودلائل بتاتے ہیں کہ کلی فضیلت جملہ صحابہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے اور اس کلیہ پر جملہ علما ومحققین ومفسرین کا اجماع ہے۔ اب ذیل میں قرآن واحادیث کی روشنی میں کچھ حقائق ملاحظہ فرمائیں:

افضلیت صدیق اکبر: آیات قرآنیہ کی روشنی میں :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ. بے شک تم سب میں بزرگ تر اللہ کے نزدیک تمھارا اتقیٰ یعنی بڑا پرہیز گار۔ (سورہ حجرات۔ آیت ۱۳)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾. اور نزدیک ہے کہ جہنم سے بچایا جائے وہ بڑا پرہیز گار جو اپنا مال دیتا ہے ستھرا ہونے کو (سورہ لیل۔ آیت ۱۷)

آیت کریمہ میں باجماع مفسرین "اتقیٰ" سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔ تفسیر خازن میں امام علاء الدین علی بن محمد خازن لکھتے ہیں :

"و هو ابو بكر الصديق فى قول جميع المفسرين." یعنی تمام مفسرین کے قول کے مطابق "الاتقیٰ" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ (لباب التاویل فی معانی التنزیل، تفسیر سورۃ اللیل، آیت ۱۷، جلد ۶ ص: ۲۷۴)

اس موضوع پر امام احمد رضا قادری نے دس آیات کریمہ اور ان سے متعلق کتب تفاسیر کی صراحتیں پیش کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے افضل ہیں اور ان کی افضلیت پر جملہ مفسرین کا اجماع ہے۔ (ملاحظہ ہو: مطلع القمرین، ص: ۱۶۷ تا ۲۰۶)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

"یہ آیت مبارکہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے، کیوں کہ ان دونوں آیتوں کا معنی ہے: "اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا کہ جن پر تیرا انعام ہوا۔" اور دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ

اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ﴿۶۹﴾ . (النساء:۶۹) ''یعنی اللہ نے انبیا اور صدیق پر انعام فرمایا۔ اور اس بات میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہہ نہیں کہ صدیقین کے امام اور ان کے سردار حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ تو اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ '' اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم وہ ہدایت طلب کریں جس پر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صدیقین تھے، کیوں کہ اگر وہ ظالم ہوتے تو ان کی اقتدا جائز ہی نہ ہوتی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ سورۃ الفاتحہ کی یہ آیت مبارکہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔'' (التفسیر الکبیر، الفاتحۃ:۶،۵، ج:۱، ص:۲۲۱)

افضلیت صدیق اکبر: احادیث نبویہ کی روشنی میں:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے اپنی علالت کے دوران مجھے ہدایت کی کہ اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی کو میری پاس بلواؤ تاکہ میں انھیں کوئی تحریر لکھ دوں کیوں کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کوئی اور شخص [خلافت کا] آرزو مند ہو سکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے کہ میں [خلافت کا] زیادہ حق دار ہوں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو [خلیفہ کے طور] پر قبول کریں گے۔ (مسلم شریف، کتاب فضائل الصحابہ، ص:۲۹۸، ج:۲)

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک عورت آئی اور اس نے آپ ﷺ نے کسی چیز کے متعلق کلام کیا تو رسول پاک ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ آئے۔ اس عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے خبر دیں۔ اگر میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں آؤں اور آپ ﷺ کو نہ پاؤں گویا کہ اس عورت کی مراد حضور ﷺ کا وصال ظاہری تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر تو آئے اور مجھے نہ پائے تو پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آجانا۔ (بخاری شریف، کتاب الاحکام، ص:۱۰۷۵، ج:۲)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول پاک ﷺ کا وصال شریف ہوا تو انصار نے کہا کہ ہم میں سے ایک صاحب کو امام ہونا چاہئے اور مہاجرین میں سے ایک امیر۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے دریافت کیا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حضور پرنور ﷺ نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا تھا۔ تم میں کون ایسا شخص ہے کہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم ہونے پر راضی ہو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فرمایا کہ ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوں۔
(سنن نسائی، کتاب الامۃ، ص:۲۳۸)

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اجماع صحابہ ہے:

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ آقا کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک روح القدس جبریل امین نے مجھے خبر دی کہ آپ ﷺ کی امت میں آپ ﷺ کے بعد افضل ابوبکر ہیں۔ (المعجم الاوسط للطبرانی،، جلد ۵، ص:۱۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ نبیوں اور رسولوں کے سوا زمین وآسمان کی اگلی اور پچھلی مخلوق میں سب سے افضل ابوبکر ہیں۔ (الکامل لابن عدی، جلد ۲، ص:۱۸۰)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ کی موجودگی میں ہم کہتے تھے کہ سب سے افضل ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، جلد ۲، ص:۴۵۱)

خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادتیں ملاحظہ فرمالیں:

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا۔ میں نے عرض کی: اے رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل

شخص! توآپ نے فرمایا: اے ابوجحیفہ! کیا تجھے بتاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ وہ حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر، اے ابوجحیفہ! تجھ پر افسوس ہے، میری محبت اور ابوبکر کی دشمنی کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہوسکتی اور نہ میری دشمنی اور ابوبکر وعمر کی محبت کسی مومن کے دل میں جمع ہوسکتی ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ علی، جلد ۳، ص:۷۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر فرمایئے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں! اللہ تعالیٰ اسے تم پر خلیفہ مقرر فرمادے گا جو تم میں سب سے بہتر ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جانا، جنھیں ہم پر خلیفہ مقرر فرمایا۔ (تاریخ دمشق، جلد ۳۰، ص: ۲۸۹، ۲۹۰)

حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عظمت شان پر ایک تفصیلی روایت حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے جسے بہت سے علمائے متقدمین و محققین نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، ان میں صاحب الاحادیث المختارہ امام ضیاء الدین مقدسی (۵۴۸ھ۔ ۶۴۳ھ) بھی جنھوں نے اپنی عربی تصنیف "النھی عن سب الأصحاب وما فیہ من الاثم و العقاب" میں (اس کتاب کا اردو ترجمہ محب گرامی مفتی محمد رئیس اختر مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے کیا ہے جو اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدرآباد سے بنام "گستاخانِ صحابہ کا انجام" اسی برس طبع ہوئی ہے۔) اس روایت کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں وہ روایت پیش کی جاتی ہے۔

حضرت سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ میرا گزر شیعوں کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا، جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دے رہے تھے، میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: امیر المومنین! ابھی میں آپ کے چاہنے والوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہما پر ایسی عیب چینی کر رہے تھے جو اس امت کی طرف سے ان کے شایان شان نہیں، تو اگر آپ کے دل میں اس طرح کی باتیں نہ ہوتیں جنھیں وہ علانیہ کہہ رہے ہیں تو ان کی یہ جرأت نہیں ہوتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ما اضمر لھما الا الذی ائتمنی المضی علیه ، لعن الله من اضمر لھما الا الحسن الجمیل. یعنی میرے دل میں ان کے تعلق سے وہی باتیں ہیں جن پر چلنے کی میں آرزو رکھتا ہوں۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو جو ان کے متعلق دل میں خیر کے سوا کچھ رکھے۔ (راوی بیان کرتے ہیں) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ میرا ہاتھ پکڑ کر اشک بار آنکھوں کے ساتھ کھڑے ہوئے اور مسجد میں داخل ہو کر منبر پر رونق افروز ہوئے۔ پھر ہاتھ سے اپنی ریش مبارک پکڑ کر اسے دیکھتے رہے یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے، اس کے بعد کھڑے ہو کر ایک مختصر اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا: "ما بال قوم یذکرون سیدی قریش و ابوی المسلمین ، انا مما قالوا بری و علیٰ ما قالوا معاقب." یعنی "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قریش کے دو سرداروں اور مسلمانوں کے سر پرستوں کو (برائی کے ساتھ) یاد کر رہے ہیں، میں ان کی ان باتوں سے بے زار ہوں اور انھیں اس پر سزا دوں گا۔" [یہ اس خطبے کا ابتدائیہ ہے۔]

اجماع پر محدثین و محققین و مفسرین کی توضیحات :

اس موضوع پر ائمہ محدثین و محققین و مفسرین کے چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔" (شرح صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، ج:۸، الجزء:۱۵، ص:۱۴۸)

امام محمد بن حسین بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیا و مرسلین کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں، اور پھر ان چاروں میں افضلیت کی

ترتیب خلافت کی ترتیب سے ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خلیفہ ہیں، لہٰذا وہ سب سے افضل۔ ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، ان کے بعد حضرت سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم افضل ہیں۔" (شرح السنۃ للبغوی، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج۱، ص ۱۸۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

" اس بات پر اجماع ہے کہ خلفاے راشدین میں فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے خلافت ہے [یعنی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے افضل ہیں کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ ہیں، اس کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، اس کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، اس کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔" (فتح الباری ،کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لو کنت متخذا خلیلا، تحت الحدیث:۳۶۷۸، ج۷، ص۲۹)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اہل سنت وجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص:۳۴)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمت کے اولیاے کرام میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔" (الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۸)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ساری مخلوق میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔" (ارشاد الساری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عثمان بن عفان، ج:۸، ص:۲۱۵)

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"خلفاے اربعہ کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے۔[یعنی امام برحق اور خلیفہ مطلق حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُن کے بعد حضرت سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے بعد حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں] تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔" (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷، عقیدہ چھاردہم، ص:۳۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"خلفاے اربعہ کی افضلیت اُن کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے یعنی تمام صحابہ سے افضل سیدنا ابوبکر صدیق ہیں پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔" (تکمیل الایمان، ص:۱۰۴)

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال، کتب شیعہ سے:

حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "ابوبکر کو سب لوگوں سے زیادہ حقدار سمجھتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز کے ساتھی اور ثانی اثنین ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا۔" (شرح نہج البلاغہ ابن ابی حدید شیعی، جلد اول، ص:۳۳۲)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ان خیر ہذہ الامۃ بعد نبیہا ابوبکر و عمر یعنی اس امت میں حضور ﷺ کے بعد سب سے بہتر حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ (کتاب الشافی، جلد دوم، ص:۴۲۸)

شانِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کتب شیعہ سے:

"وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَ صَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾" (سورۂ زمر۔ آیت:۳۳)

شیعہ حضرات کی مستند تفسیر "مجمع البیان" میں اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "الذی جاء بالصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صدق بہ ابو بکر." "جو صدق لے کر آئے، وہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور جس نے ان کی تصدیق کی، وہ ابوبکر [رضی اللہ عنہ] ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان، جلد ۸، ص ۴۹۸، مطبوعہ بیروت)

"وَ السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَ الۡاَنۡصَارِ وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾" (سورۂ توبہ۔ آیت ۱۰۰)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شیعہ مفسر شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی نے لکھا ہے: "ان اول من اسلم بعد خدیجۃ ابو بکر" حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابوبکر ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان، جلد ۵، ص ۶۵، مطبوعہ بیروت)

ان چمکتے دمکتے ناقابل تردید حقائق کے باوجود رافضیوں نے حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق مسئلہ خلافت میں ہذیان گوئی کی اور انھیں غاصب و خائن باور کرایا اور ان کی پاک جناب میں غلط بیانی کی، بلکہ ان کی گستاخی کے مرتکب ہوئے۔

ان تفضیلوں کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے رحلت شریفہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ خلیفۂ بلافصل تھے اور ان کی خلافت منصوص من اللہ تھی۔ خلفائے ثلاثہ نے اسے جبراً چھینے رکھا۔ اس لیے ان تینوں کا زمانہ جور و جفا کا زمانہ تھا، عدل و احسان کا وہی دور تھا جس میں حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ مسند خلافت پر فائز رہے۔ امامت اور چیز ہے

اور خلافت اس سے علیحدہ منصب ہے کیوں کہ امام کا معصوم ہونا شرط ہے اور خلافت کے منصب پر متمکّن ہونے والے کے لیے عصمت کی کوئی شرط نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالاں کہ خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ان کے اس نظریے کی تردید کرتا ہے، جن کا کہنا ہے:"من لم يقل انى رابع الخلفاء فعليه لعنة الله"یعنی " امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو مجھے چوتھا خلیفہ نہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے اس کلام میں صاف صاف فیصلہ فرمایا کہ میں چوتھے نمبر پر خلیفہ ہوں اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو خلیفہ بلافصل کہنا باطل ہے اور ایسا کہنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اور یہ بھی کہ آپ خلفائے اربعہ میں چوتھے نمبر پر خلیفہ ہیں اور یہی عقیدہ ضروری بھی ہے۔

کچھ اس کتاب سے متعلق :

رافضی تفضیلی نظریات کے رد میں ہر عہد کے علما و محققین نے دنیا کی مختلف زبانوں میں گراں قدر کتب ورسائل تصنیف و تالیف کیے اور حضرات خلفاے راشدین کے بارے میں اسلام اور اہل اسلام کا درست موقف بیان فرمایا۔ ساتویں صدی ہجری میں شیعوں کے مشہور عالم و مصنف "حسن بن یوسف ابن مطہر" [۶۴۸ھ۔۷۲۶ھ] نے "منهاج الكرامة فی معرفة الامامة " نامی کتاب لکھی اور اس میں اپنے جعلی و فرضی اصولوں کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے اولین حق دار تھے۔ صاحب القاموس المحیط حضرت علامہ مجد الدین فیروز آبادی[۷۲۹ھ۔۸۱۷ھ] نے ایک مختصر رسالے "رد الرافضة " میں ابن مطہر کے بعض دلائل و شبہات کا بڑے نفیس اور نفسیاتی انداز میں رد بلیغ فرمایا اور حق منقح ہو کر سامنے آگیا۔ یہ کتاب اپنے زمانہ تالیف سے اب تک عربی داں اہل علم کے درمیان قابل قبول اور اہمیت کی حامل رہی ہے لیکن اردو داں طبقہ اس کتاب سے تقریباً محروم تھا۔ خدا بھلا کرے محب گرامی مولانا محمد ذیشان مصباحی

[استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور] کا کہ انھوں نے بشارت صدیقی کی دعوت پر اس کا اردو ترجمہ بڑے سلیس انداز میں کیا ہے۔ اب یہ کتاب اشرفیہ اسلامک فاونڈیشن، حیدرآباد کے زیر اہتمام طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔ بشارت علی صدیقی کافی محنتی آدمی ہیں، حیدرآبادی ہیں، لیکن جدہ میں قیام پذیر رہ کر بھی ڈھیروں علمی و قلمی وطباعتی کام کرواتے رہتے ہیں۔ قدیم مصنفین کی تیس سے زائد عربی کتب ورسائل کا اردو ترجمہ کروا کے انھیں شائع کیا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ مجموعی طور پر وہ سوا سو کے قریب کتب ورسائل پر کام کروا چکے ہیں اور پچاس سے زیادہ شائع کر چکے ہیں۔ اللہ ان کے علمی ذوق کو اور بلندی عطا فرمائے، آمین۔

مترجم کتاب مولانا محمد ذیشان مصباحی ۵ مئی ۱۹۹۲ء کو قصبہ نوگاواں سادات کے قریب موضع بوہرا (بہاور)، ضلع امروہہ، یوپی میں پیدا ہوئے، والد ماجد کا نام شان محمد ہے۔ ابتدائی تعلیم بسم اللہ خوانی سے لے کر پاؤ پارہ حفظ کرنے تک گاؤں میں ہی حاصل کی، پھر تین کلو میٹر دور علاقے کے ایک مرکزی ادارہ "نورالاسلام عطاریہ" موضع شکریہ، میں قرآن کریم حفظ کرنے کے ساتھ درجہ اعدادیہ تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مزید حصول علم کے لیے استاذ گرامی نے ضلع امروہہ کے ایک قصبہ گجرولہ بھیج دیا، وہاں اولیٰ سے رابعہ تک تعلیم پائی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ حاضر ہوئے اور درجہ خامسہ تا تحقیق فی الحدیث (۲۰۱۱ء تا ۲۰۱۶ء) یہاں سلسلہ تعلیم جاری رکھا اور دستارِ فضیلت و تحقیق سے نوازے گئے۔ انھوں نے دو سالہ تحقیق کے دورانیہ میں فل اسکیپ سائز کے ۱۰۰/ صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی مقالہ بنام "صلاۃ النبی ﷺ: احادیث کی روشنی میں" تحریر کیا تھا۔ بعد فراغت ایک سال امروہہ کے قریب ایک ادارہ "دارالعلوم غوثیہ نوریہ" میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے مستقل تدریس کے لیے جامعہ اشرفیہ طلب فرمالیا۔ جامعہ اشرفیہ کے علمی و قلمی ماحول میں زندگی گزارنے والا تحریر و قلم کا شیدائی بن ہی جاتا ہے، جو محترمی کے ساتھ بھی ہوا، لیکن یہ چنگاری

دبی دبی اور کچھ سہمی سہمی سی تھی جو ایک ضرب میں بپھر گئی اور اس کتاب کے ترجمہ سے انھوں نے اپنی علمی وقلمی زندگی کے سفر کا آغاز کر دیا ہے جو ان شاء اللہ پوری شان سے جاری رہے گا ۔ محمد ذیشان مصباحی نوجوان عالم ہیں ، باذوق ہیں ، بدن ہلکا پھلکا ہے ، لیکن حوصلے توانا ہیں ، میٹھی زبان بولتے ہیں ، بہت کچھ برداشت کر لینے کا حوصلہ رکھتے ہیں ، کاموں میں انہماک ان کا شیوہ زندگی ہے ، دقتِ نظری ان کی شناخت ہے ، اساتذہ جامعہ بھی ان پر اعتماد کرتے ہیں ۔ دھان پان ہیں ، کوئی علمی طمطراق نہیں جتاتے ۔ ان کا مزاج خوش روانہ ہے ، دل محبتانہ اور دماغ شاعرانہ ہے ، لیکن شاعری نہیں کرتے ۔ اردو ، فارسی ، عربی ، انگریزی اور ہندی زبانوں سے واقفیت رکھتے ہیں ۔

ترجمہ نگاری کوئی آسان کام ہرگز نہیں ہے ۔ بلکہ یہ ایک مشکل ترین اور صبر آزما شغل ہے جس کی دِقت کا اندازہ اس راہ کا مسافر ہی کر سکتا ہے ۔ ایک ترجمہ نگار کو ہر دو زبانوں کی مبادیات واصول سے ہمہ رنگ آشنائی کے ساتھ ان زبانوں کے لفظیات ومحاورات سے کامل واقفیت رکھنا از حد ضروری ہے ، اس کے بغیر کوئی اچھا ترجمہ معرض وجود میں نہیں آسکتا ۔ یہ ترجمہ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ کام بھر پور توجہ اور کامل مہارت سے انجام دیا ہے ، زبان آسان ہے اور اسلوب ان کی ذات کی طرح بے حد سلجھا ہوا اور شگفتہ ہے ۔ انھوں نے ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب میں مندرج آیات واحادیث کی تخریج بھی کر دی ہے اور چند ایک جگہ ضروری حواشی بھی تحریر کیے ہیں جو قابل مطالعہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور مصنف ومترجم وناشر کو جزائے خیر سے نوازے ، آمین ۔

توفیق احسن برکاتی

جامعہ اشرفیہ ، مبارک پور ، اعظم گڑھ ، یوپی

[۱۰ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۸ مارچ ۲۰۱۹ء]

مقدمۃ المؤلف

میں اللہ ہی کی حمد بیان کرتا ہوں اس نعمت پر جس کے ذریعے اس نے مجھے قوت گویائی اور فصاحت بیان سے نوازا، تاکہ اس کی پاکی بیان کروں ان باتوں سے جو بے دینوں نے اس کی جانب منسوب کردیں، اور ان باتوں سے جو گمراہوں اور منکروں نے اللہ ورسول کے حق میں گڑھ لی ہیں کہ جن کی عقلیں صحیح معنی میں حق تک رسائی سے عاجز ہیں، اور تصدیق کے ساتھ کتاب وسنت کے علم تک نہ پہنچ سکیں، اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے جن پر سیدھا راستہ مخفی ہوگیا۔ اور یہ لوگ راہ ہدایت سے دور ہوگئے، اور اس تعصب کی بنیاد پر نافرمانوں کے گروہ کی طرف مائل ہوئے جو انھیں آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ڈھکیلنے والا ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس شخص کی گواہی کی طرح جسے یہ معلوم ہے کہ مصیبتوں کو مصیبتوں سے دور کیا جاتا ہے۔ اور کلمہ شہادت سب اچھا کلام ہے اور بے دینی کی لغزش بیان نہیں کی سکتی۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے ایسے بندے اور رسول ہیں جن کے لیے مکمل امن وسلامتی ہے، جنھوں نے اپنے مقصد کو پالیا، جن کی پیروی سے بے نیازی جائز نہیں، اور جن سے امن وسلامتی کو طاقت وقوت ملی۔ اور آپ کی آل پر جنھیں اللہ تعالی نے سب سے پاکیزہ آل بنایا، اور آپ کے اصحاب پر جن کی طرف دین حق منسوب ہے۔

حمد وصلاۃ کے بعد: حرم الہی میں پناہ لینے والا بندۂ ناچیز **محمد بن یعقوب فیروز آبادی** (اللہ تعالی اسے ہر بھلائی اور حق کی قیادت کرنے والا، ہر برائی اور باطل کو روکنے والا اور اس سے الگ تھلگ رہنے والا، اور جو ہو چکا ہے، جو ہوگا، سب میں اپنی رضا پر رہنے والا بنائے) کہتا ہے:

میں نے اس کتاب "منهاج الكرامة" کو دیکھا جو ایک غالی قسم کے رافضی کی طرف منسوب ہے جو اللہ تعالی کے حفظ وامان سے محروم ہے۔ جس نے موضوع حدیثیں اور ایسی ایسی گڑھی ہوئی متروک روایتیں لکھی ہیں، جن کے ذکر کو کوئی ایسا جاہل یا بے دین ہی پسند کر سکتا ہے، جو ان باتوں کے بارے میں سہل انگاری اور لاپروائی سے کام لیتا ہو۔

میں نے اپنی اس کتاب کا نام "القضاب المشتهر على رقاب ابن المطهر" رکھا ہے، اللہ ہی پر مجھے اعتماد ہے، اور جو باتیں کتاب وسنت کی طرف ہم منسوب کریں، ان کی صحت میں اللہ تعالی کی مدد کے طالب ہیں، اور اسی کی توفیق کے خواست گار ہیں۔

یقیناً یہ باتیں اس لائق نہیں تھیں کہ انھیں علاحدہ علاحدہ فصل میں ذکر کیا جائے، کیوں کہ ان میں شاذ ونادر ہی ایسی باتیں ہوگی جو (بظاہر) صحیح ہوں۔ اس لیے ہم اس کے اصل مدعا اور دلائل کو ذکر کیے دیتے ہیں، اور باقی جو کھلی ہوئی غلط باتیں ہیں ان سے اعراض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر (۱):

اس (ابن مطہر رافضی) کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور اس نے اس دعوے کے لیے کئی ایک دلائل ذکر کیے ہیں، مثلاً:

''حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سب سے زیادہ علم والے تھے''۔

جواب: یہ ایک دم صریح جھوٹ ہے، اس لیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے علم کی معرفت دو طریقوں سے ہو سکتی ہے:

(۱) روایت اور فتاوی کی کثرت کی بنیاد پر۔ (۲) نبی کریم ﷺ کے ان سے زیادہ خدمت لینے کے ذریعہ۔ اور یہ ناممکن ہے کہ نبی ﷺ ایسے شخص سے کام لیں جسے کچھ بھی علم نہ ہو، اور یہ علم اور وسعت علم پر سب سے بڑی اور واضح دلیل ہے۔ اور جب ہم نے اس جہت سے غور کیا تو معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ایام علالت میں اپنی موجودگی میں حضرت ابو بکر کو نماز پڑھانے کی ذمے داری سپرد کی تھی حالاں کہ حضرت علی، عمر، ابن مسعود اور ابی ابن کعب وغیرہ اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم موجود تھے، حضور نے ان سب پر نماز کے سلسلے میں حضرت ابو بکر کو ترجیح دی جب کہ غزوات میں انھیں خلیفہ نہیں بنایا، اس لیے کہ غزوات میں صرف عورتوں، بچوں اور معذوروں کے لیے ہی خلیفہ بنایا جاتا ہے۔ تو واضح طور پر یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ دیگر صحابہ کی بہ نسبت نماز اور احکام نماز کے زیادہ جان کار تھے، اور نماز دین کا ستون ہے۔

اور ہم نے تو یہ بھی دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے صدقات (زکات) وصول کرنے کے لیے بھی آپ کا انتخاب فرمایا، لہذا ثابت ہوا کہ دوسرے اہلِ علم صحابہ کی طرح ان کے پاس بھی صدقات کا علم تھا ان سے کم نہ تھا بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان سے زیادہ ہی رہا ہو، کیا دیکھتے نہیں کہ تمام فقہاے کرام نے زکات کے سلسلے میں اسی حدیث پر اعتماد کیا ہے جسے

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کیا، اور اسی حدیث کو اصل اور بنیاد قرار دیا، اور جو حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے، اس پر توجہ نہ دی اور اس سے مکمل اعراض کر لیا، نیز اس روایت کی سند میں اضطراب بھی ہے، اور ایسی بات ہے جس کا ائمہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ وہ بات یہ ہے "ہر پچیس اونٹوں میں صرف پانچ بکریاں ہیں۔" جب کہ کوئی بھی امام اس کا قائل نہیں۔ لہذا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ دین کے ایک اہم رکن "زکات" کے سب سے زیادہ جان کار تھے۔

رہا "حج" تو صحیح قول کے مطابق جب ۹ھ میں حج فرض ہوا تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فوری طور پر مسلمانوں کو اس کے لیے تیار کیا یہاں تک کہ جواز تاخیر بیان کرنے کا بھی موقع عنایت نہ فرمایا اور لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دینے کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی اکرم ﷺ، صدیق اکبر کو ایسے زبردست اور مہتم بالشان کام کے لیے آگے بڑھا دیں جو ایسے علوم پر مشتمل ہے کہ دوسرے دینی اصول جن پر مشتمل نہیں۔ اب سمجھ سکتے ہیں کہ صحابہ میں کون زیادہ بڑا عالم تھا۔

اسی طرح جب بہت سے احکام حج اور فضائل ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ پر مشتمل، سورۂ براءت نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو بھیجا تاکہ لوگوں کو یہ سورت پڑھ کر سنا دیں، جب وہ گئے تو حضرت ابو بکر نے ان سے پوچھا: "کہیے امیر بن کر آئے ہیں یا مامور"؟ کہا: مامور بن کر۔ (۱) پھر انھوں نے سورہ براءت لوگوں کے سامنے پڑھی، تاکہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی زبان مبارک سے فضائلِ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ سماعت کریں، کیوں کہ اس طرح سے بات، قلب و ذہن میں زیادہ راسخ اور جاگزیں ہوگی اور اس طرح کرنے سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی فضیلت زیادہ ظاہر ہوگی اور ان کی قدر و منزلت زیادہ آشکارا ہوگی۔

جہاں تک بات ہے اس ملحد و بے دین کے اس قول کی کہ "کئی بار نبی اکرم ﷺ

(۱) تفسیر ابن کثیر، ص:۳۶۸، ج:۲، مطبوعہ: دار الخیر، طبعہ ثانی، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱

نے حضرت ابو بکر کو ان کا شر دفع کرنے اور اپنا راز چھپانے کے لیے ذمہ داری سونپی تو اس میں ان کی عظمت و فضیلت پر کوئی دلیل نہیں" تو یہ ایسا قول ہے جس سے کفر و عناد کی بو آتی ہے اور قائل کی جہالت کا پتا چلتا ہے، احادیث صحیحہ اور ان دلائل کی بنیاد پر جن سے دفاتر اسلام بھرے ہوئے ہیں۔ جلد ہی انھیں ہم بیان کریں گے۔ و نعوذ باللہ من الخذلان.

جہاد میں بھی حضرت ابو بکر جانشین بنائے گئے، لہذا یہ بات ثابت ہوئی کہ انھیں بھی باقی امرائے لشکر کی طرح احکام جہاد کا علم تھا، نہ ان سے کم نہ زیادہ۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ، نماز، زکات اور حج کے علم میں سارے صحابہ سے بڑھ کر ہیں، اور علم جہاد میں ان کے برابر ہیں۔ کیوں کہ یہ چیزیں علم کی بنیاد ہیں۔

پھر ہم نے پایا کہ نبی کریم ﷺ نے سفر و حضر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنی معیت میں رکھا اور انھوں نے آپ کے احکام اور فتووں کا مشاہدہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے زیادہ کیا، اس لیے حضرت ابو بکر کا ان سے زیادہ جان کار ہونا معلوم ہوتا ہے تو کیا اب بھی علم کا کوئی ایسا گوشہ باقی رہ گیا جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو تقدم و برتری حاصل نہ ہو؟ لہذا حضرت ابو بکر کے علم سے متعلق ان بے دینوں کا دعوی باطل ہو گیا۔

جہاں تک روایت حدیث کی بات ہے تو یہ بالکل ظاہر و باہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ اس میدان میں سب سے آگے اور راسخ تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ، رسول اللہ ﷺ کے بعد صرف دو سال چھ ماہ باحیات رہے، اور حج و عمرہ کے علاوہ مدینۃ المنورۃ سے باہر گئے ہی نہیں، نہ سفر کیا نہ دوسروں کی طرح بلاد و امصار کے چکر لگائے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اس وقت اچھی خاصی تعداد میں موجود تھے، دور رسالت بھی قریب ہی تھا، اور ہر ایک کے پاس اس قدر علم اور روایتیں موجود تھیں، جن کی عموماً ضرورت پڑتی ہے۔

اس کے باوجود انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ۱۳۶/ احادیث

روایت کی ہیں۔ [1]

جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ، نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ۳۰/ سال سے زیادہ باحیات رہے، مشرق و مغرب کا سفر کرتے اور ایک شہر سے دوسرے شہر آتے جاتے رہے، کئی سال کوفہ میں مقیم رہے، احادیث نبویہ اور علوم و فنون کے حصول کے لیے پروانے کثرت سے آتے، سائلوں اور خوشہ چینوں کی بھیڑ لگی رہتی، حدیث کی روایت لینے والے اور طالبان رشد وہدایت کا ہجوم لگا رہتا۔ مگر پھر بھی آپ سے ۵۸۵/ احادیث ہی مروی ہیں، جن میں صحیح حدیثوں کی تعداد ۵۰/ ہے۔ اگر آپ دونوں خلفا کی مدت حیات اور تعداد حدیث کا موازنہ کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کثرت روایت و حدیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے کہیں آگے تھے۔ اور یہ تو ایسی بات ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے، لیکن اس بات کو بھی جانے دیجیے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے وصال کے بعد ۱۷/ سال ۷/ ماہ باحیات رہے (مگر) مسانید عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی تعداد ۵۳۷/ ہے، جن میں سے ۵۰/ حدیثیں صحیح ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح احادیث کی تعداد اتنی ہی ہے جتنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے صرف ایک دو حدیث کا فرق ہے۔

اب ذرا غور کیجیے کہ اتنی طویل مدت میں لوگوں کا آپ سے ملاقات کرنا، مسلمانوں

---

(۱) کبھی کبھی مکرر مرویات کی وجہ سے تعداد میں اختلاف ہو جاتا ہے، البتہ اکثر کتب میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی احادیث کی تعداد ۱۴۲/ مذکور ہے۔ چناں چہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے چاروں خلفاے عظام سے مروی احادیث کی تعداد یوں بیان کی ہے:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ۱۴۲

(۲) حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ..... ۵۳۹

(۳) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ.......... ۱۴۶

(۴) حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم..... ۵۸۶

(تاریخ الخلفاء، ص: ۱۷۵، ۲۰۸، ۲۶۰، ۲۸۴، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، قطر، الطبعۃ الثانیۃ، ۲۰۱۳ء)

کا آپ سے روایت لینے میں کثرت سے حاجت مند ہونا، اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ کی صحیح مرویات کی تعداد حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی مرویات کے مقابلے میں ایک یا دو حدیثیں ہی زیادہ رہیں۔ پتا چلا کہ حضرت عمر کا علم بھی حضرت علی سے زیادہ تھا۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ جن صحابۂ کرام کی عمریں طویل ہوئیں (عموما) ان کی مرویات بھی زیادہ ملتی ہیں اور جن کی عمریں کم ہوئیں ان سے مروی احادیث بھی کم نظر آتی ہیں۔ جب کہ حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی مدت عمر طویل ہونے کے باوجود بھی روایات کم ہی ہیں۔ ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کئی گنا زیادہ علم والے تھے۔ واللہ تعالی اعلم

اعتراض نمبر (۲):

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جہاد کرنے اور کفار پر حملہ کرنے میں سارے صحابہ سے آگے تھے، اور جہاد چوں کہ سب سے افضل عمل ہے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ لوگوں میں سب سے افضل ہوئے۔

جواب: یہ بات بھی غلط ہے، اس لیے کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) زبان سے اللہ کے دین کی دعوت دینا۔

(۲) رائے اور تدبیر کے ذریعے جہاد کرنا۔

(۳) شمشیر و سنان کے ذریعے میدان جنگ میں بنرد آزما ہونا۔

پہلی قسم یعنی جہاد باللسان میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ کوئی شامل نہیں، کیوں کہ آپ کے دست مبارک پر بہت سے اکابر صحابۂ کرام اسلام سے مشرف ہوئے، جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا اس میں کچھ خاص حصہ نہیں۔

دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جس دن سے اسلام لائے اور مکہ میں مشرکین سے جہاد کیا تب سے ہی اسلام کو سرخروئی حاصل ہوئی، اللہ سبحانہ تعالی کی کھلے عام

عبادت ہونے لگی، اس طرح سے یہ بھی ایک عظیم جہاد تھا۔ تو جہاد کی یہ قسم ان دونوں شخصیت کے ساتھ ہی خاص ہے، اس میں کوئی ان کا شریک نہیں جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان میں کبھی کوئی حصہ نہیں رہا۔

رہی دوسری قسم یعنی جہاد بالرای، (رائے اور مشورہ کے ذریعہ جہاد کرنا) تو اس قسم جہاد کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خاص فرما دیا۔

جہاں تک تیسری قسم یعنی میدان کارزار میں جنگ کرنے کی بات ہے تو یہ جہاد کا سب سے کم درجہ ہے، اس کی دلیل بالکل واضح ہے، وہ یوں کہ کسی بھی مسلمان کو اس بات میں کوئی شبہہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر فضیلت کے ساتھ خاص ہیں۔ پھر ہم نے جب آپ کی طرف سے کیے گئے جہاد پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے اعمال واحوال میں زیادہ تر جہاد پہلی دو قسموں یعنی زبان سے دعوتِ اسلام دینے اور مصلحت و تدبیر سے کام لینے کے ذریعہ ہی ہوا۔ اور آپ نے تلوار زنی اور نیزہ بازی نا کے برابر کی۔

اعتراض نمبر (۳):

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ میں سب سے بڑے قاری قرآن تھے، اس لیے وہی افضل ہوئے۔

جواب: یہ کھلا جھوٹ ہے چند وجوہ کی بنا پر:

(۱) رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کی امامت وہ کرے جو سب سے بڑا قاری ہو، پھر اگر قراءت میں برابر ہوں تو سب سے بڑا فقیہ اگر اس میں بھی برابر ہوں تو امامت کے فرائض وہ انجام دے جو ہجرت میں مقدم ہو۔ (۱)

---

(۱) صحیح مسلم، باب من احق بالامامۃ، حدیث: ۶۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبعہ اولی، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایام مرض میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو نماز کے لیے آگے بڑھایا لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ آپ ہی صحابہ میں سب سے بڑے قاری، سب سے عظیم فقیہ اور سب سے پہلے ہجرت کرنے والے تھے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس نے پورا قرآن حفظ نہ کیا ہو وہ حافظ قرآن سے بڑا قاری اور قراءت کا جان کار ہوتا ہے، ایسا شخص واضح ادائیگی اور حسن ترتیل کے ساتھ قرآن کریم حفظ کیے ہوتا ہے، اور آیات پر ٹھہرنے کے اصول وضوابط سے بڑا شناسا ہوتا ہے۔ اور حضرات ابوبکر وعمر وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کوئی بھی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا، (۱) تو حضرت علی کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو نماز کے لیے

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ خلفاے اربعہ خصوصا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو حفظ قرآن کی فضیلت حاصل تھی۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (متوفی:۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

وهو من كبار الصحابة الذين حفظوا القرآن كله.

(تهذيب الأسماء اللغات، ص: ۱۹۱، ج:۲، باب أبي بكر، إدارة الطباعة المنيرية، القاهرة)

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

قال (ابن حجر) والذي يظهر من كثير من الأحاديث أن أبا بكر كان يحفظ القرآن في حياة رسول الله ففي الصحيح أنه بنى مسجدا بفناء داره فكان يقرأ فيه القرآن وهو محمول على ما كان نزل منه إذ ذاك قال وهذا مما لا يرتاب فيه مع شدة حرص أبي بكر على تلقي القرآن من النبي وفراغ باله له وهما بمكة وكثرة ملازمة كل منهما للآخر حتى قالت عائشة إنه كان يأتيهم بكرة وعشيا وقد صح حديث: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله وقد قدمه في مرضه إماما للمهاجرين والأنصار فدل على أنه كان أقرأهم. انتهى

(الاتقان فی علوم القرآن، ص:۱۵۷، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء)

ابن حجر فرماتے ہیں: بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی میں ہی قرآن کریم حفظ کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا رکھی تھی جس میں قرآن پڑھا کرتے یعنی جتنا نازل ہو چکا ہوتا، پڑھتے رہتے۔

آگے بڑھانے سے یقینی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ آپ بڑے قاری قرآن تھے۔ کیوں کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نبی کریم ﷺ اس شخص کی موجودگی میں جو قراءت قرآن کا زیادہ جان کار ہو، اس کو بڑھادیں جو ان سے کم علم رکھتا ہو۔ یا چھوٹے فقیہ کو بڑے فقیہ پر ترجیح دیں، لہٰذا ان ملحدین کا دعوی اللہ کی توفیق سے باطل ہو گیا۔

اعتراض نمبر (۴):

حضرت علی تمام صحابہ میں سب سے بڑے زاہد تھے، لہذا وہی افضل ہوئے۔

جواب: یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ زہد دل کو شہرت، دولت، لذت اور اہل وعیال کی محبت سے الگ تھلگ رکھنے کا نام ہے

جہاں تک مال سے بے رغبتی کی بات ہے تو جانتے ہی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ جب اسلام لائے تو ان کے پاس اچھا خاصا مال تھا۔ (مگر) وہ شخص بے شرم ہے

مزید فرمایا: ان کے حافظ ہونے میں ذرا بھی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں، کیوں کہ انھیں حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے قرآن سیکھنے کا بے حد شوق تھا اور وہ اس کام کے لیے فارغ البال تھے (مدینہ اور سفر ہجرت کے علاوہ) مکۃ المکرمہ میں بھی معیت کا شرف حاصل تھا، زیادہ تر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: حضور ﷺ روزانہ ان کے گھر صبح وشام تشریف لاتے۔ علاوہ ازیں حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کی امامت وہ کرے جو قرآن کا سب سے بڑا قاری ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو مہاجرین وانصار کی امامت کے لیے آگے بڑھایا تھا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہی سب سے زیادہ قاری قرآن (حافظ قرآن) تھے۔
مزید تحقیق کے لیے صدر العلماء، عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی مایہ ناز تصنیف ''تدوین قرآن'' کی طرف رجوع کریں۔
(محمد ذیشان مصباحی)

جس نے یہ کہتے ہوئے اس کا بھی انکار کیا کہ وہ فقیر ومحتاج تھے، ان کے والد ابن جدعان کے یہاں ایک "مُد" پر نوکری کرتے تھے، جس سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔ حالاں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے والد کے پاس ۴۰؍ہزار درہم سے زائد رقم موجود تھی، سب کی سب راہ خدا میں خرچ کرڈالی، اللہ کی راہ میں ستائے جانے والے کمزور مومن غلاموں کو آزاد کرایا اور وہاں آپ نے صرف تنگ دست غلاموں کو ہی آزاد نہیں کرایا تھا بلکہ ہر اس مرد وعورت کو رہائی دلائی جسے اللہ کی راہ میں تکلیف دی جارہی تھی، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی اجازت دے دی۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے کل سرمایہ میں سے صرف چھ ہزار درہم ہی بچے تھے۔ انھیں بھی لے کر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوگئے، اور گھر والوں کے لیے ایک درہم تک نہ چھوڑا، سب راہ خدا میں خرچ کر ڈالا، ان کے لیے کچھ بھی نہ بچا۔ حال یہ ہوگیا تھا کہ جب کہیں اترتے تو اپنی عبا کو بچھا لیتے اور جب سوار ہوتے تو پہن لیتے۔

رہے باقی صحابہ تو ان کے پاس کافی مال تھا، وہ بہتر حالت میں تھے، سوائے ان کے جنھوں نے راہ خدا میں زہد وتقوی کو ترجیح دی۔

پھر جب خلافت کی ذمے داری سنبھالی تو نہ تو کوئی باندی لی، نہ مال میں اضافہ کیا، اور جو کچھ اپنی ذات اور اہل وعیال پر خرچ کیا تھا، وصال کے وقت اسے بھی اللہ کا مال سمجھ کر اپنے اس نجی مال سے بیت اللہ میں واپس کرنے کا حکم دیا جو آپ کو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوات میں ملا تھا۔

یہ تقوی تھا ان کا آرام وآسائش کی چیزوں اور مال کے بارے میں، جس میں مہاجرین اولین میں سے حضرت ابوذر غفاری اور ابوعبید رضی اللہ تعالی عنہما کو چھوڑ کر کوئی بھی صحابی ان کے قریب تک نہ پہنچے، کیوں کہ مذکورہ دونوں صحابی اسی راستے پر چلتے رہے جس پر انھیں رسول کریم ﷺ سے داغ مفارقت ملا تھا۔ اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے اللہ تعالی کی مباح کردہ حلال چیزوں میں توسع سے کام لیا سوائے ان کے جنھوں نے افضل کو

فوقیت دی۔ حضرت عمر نے بھی اس زہد وتقوی میں ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہما کا اتباع کیا تھا۔

لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عمارت (وغیرہ سے متعلق) جواز پر عمل کیا (وہ اس طرح کہ) اپنے پیچھے چار بیویوں، خادموں اور غلاموں کے علاوہ ۱۹؍ام ولد چھوڑیں اور اولاد کی تعداد ۲۴؍ تھی، جب کہ ایک قول ۳۰؍ سے کچھ زائد کا بھی ہے۔ اور ایک قول کے مطابق ۳۹؍ اولاد چھوڑیں۔ یہ باتیں امام مزی نے "تہذیب الکمال" میں (۱) اور امام ذہبی نے "التہذیب" میں ذکر کیں اور ان کے لیے جائداد اور بہت سامال چھوڑا جس کی بنا پر وہ قوم میں مال دار شمار کیے جاتے تھے۔ اور حضرت علی کی طرف سے صدقہ کی گئی کل پونجی کھیتی کے علاوہ تقریباً ایک ہزار وسق کھجوریں تھیں۔ تو بھلا کہاں یہ اور کہاں صدیق اکبر - رضی اللہ تعالی عنہما۔

اولاد سے محبت اور اہل وعیال کی طرف میلان کی جہاں تک بات ہے تو یہ بھی ایک کھلی ہوئی بات ہے، کیوں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے قرابت داروں میں اولین مہاجرین میں سے طلحہ بن عبید اللہ اور آپ کے فرزند حضرت عبد الرحمن جیسے لوگ موجود تھے، اور صدیق اکبر رسول اللہ ﷺ کے پرانے صحبت یافتہ اور نمایاں فضیلت والے تھے، مگر ان میں سے کسی کو کبھی بھی عامل نہ بنایا، حالاں کہ اگر انھیں عامل بناتے تو ضرور وہ اس کے اہل ثابت ہوتے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو یہ ڈر تھا کہ یہ ترجیحی سلوک ہوگا اور نفس انھیں ان کی طرف مائل کر دے گا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ان کے نقش قدم پر چلے، انھوں نے بھی شام، مصر اور فارس وخراسان جیسے ممالک فتح کرنے کے باوجود بنی عدی میں سے کسی کو بھی شہروں کی ذمے داری نہیں سونپی، بس "میسان" پر نعمان بن عدی کو حاکم بنایا لیکن جلد ہی انھیں بھی معزول کر دیا۔ اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ تک کو خلیفہ نہیں بنایا، حالاں کہ وہ باعظمت صحابہ میں سے تھے، لوگ انھیں پسند بھی کرتے تھے، اور وہ اس کے اہل بھی تھے، اگر چاہتے تو ان کو خلیفہ بنا دیتے، کوئی اختلاف بھی نہ کرتا، مگر پھر بھی انھیں خلیفہ نہ بنایا۔

---

(۱) تہذیب الکمال للمزی، ص:۲۰۷، ج:۷، من اسمہ علی، دار الکتب العلمیہ، طبعہ اولی، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

(مگر ہم دیکھتے ہیں کہ) حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ جب خلیفہ بنے تو اپنے قرابت دار حضرت عبد اللہ بن عباس کو "بصرہ" کا، عبید اللہ بن عباس کو "یمن" کا، قثم اور معبد، صاحبزادگانِ حضرت عباس کو مکہ اور مدینہ کا، اپنی بہن حضرت ام ہانی بنت ابو طالب کے بیٹے جعدہ ابن نمیرہ کو خراسان کا حاکم بنایا۔ اور لوگوں کو اپنے بعد حسن رضی اللہ تعالی عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت لینے کا حکم دیا حالاں کہ ہم حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ کے حق دار خلافت ہونے کے منکر نہیں ہیں، اور نہ ہی ہمیں حضرت ابن عباس کے مستحقِ خلافت ہونے کا انکار ہے۔ تو بھلا بصرہ کی ولایت کا انکار کیوں کر ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ اور عبد الرحمن جیسے بیٹوں کو خلیفہ اور حضرت طلحہ وسعید بن زید جیسے لوگوں کو امیر نہ بنانے والی شخصیات کا اس شخصیت سے کیا تقابل جس نے مباح پر عمل کرتے ہوئے اپنے قرابت داروں کو یہ مناصب دے دیے، لہذا دلائل ضروریہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ تمام صحابہ میں سب سے بڑے زاہد تھے، اور ان کے بعد حضرت عمر۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اعتراض نمبر (۵):

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے۔

جواب: یہ بے حیائی وبے شرمی کی بات ہے اور واضح طور پر بالکل باطل ہے۔ اس لیے کہ مال (کو خرچ کرنے) میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی کوئی بھی ظاہری شرکت معروف نہیں ہے۔ جب کہ پورا مال خرچ کرنے کے حوالے سے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کا معاملہ جگ ظاہر ہے۔ ان کے بعد جیش عسرت کو تیار کرنے میں (جو مال خرچ ہوا اس میں) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کا کوئی شریک نہیں۔ لہذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ سب سے زیادہ صدقات وخیرات کیا کرتے

تھے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے زیادہ مال اور (امور خیر میں اس کے ذریعے) زیادہ حصہ لینے والے تھے۔

اعتراض نمبر(٦):

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ مخلوق میں سب سے بڑے مدبّر اور سیاست داں تھے، لہذا امامت کے زیادہ حق دار وہی ہوئے۔

جواب: یہ بھی واضح بہتان ہے، جس شخص کو بھی سیرت اور تاریخ اسلاف کا تھوڑا سا بھی علم ہے، اس پر اس کا جھوٹا ہونا مخفی نہیں ہے۔ وہ اس طرح کہ جب رسول اللہ ﷺ وصال فرما گئے تو وہ عربی قبائل مرتد ہو گئے، جنھوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو زکات دینے سے انکار کیا تھا اور اسلامی نظام خلل پذیر ہو گیا۔

صحابہ کرام کی رائیں ان سے جہاد کرنے، نہ کرنے میں مختلف تھیں، مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے اٹل رہی۔ اور آپ کا دل ان سے جہاد کرنے پر جما رہا، فرمایا: "واللہ لو منعونی عقالا لقاتلتھم حتی تنفرد سالفتی أو ینفذن اللہ أمرہ"[1] یعنی اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں تو بھی میں ان سے قتال کروں گا یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے یا اللہ اپنے حکم کو نافذ فرما دے۔ اور آپ اسی حالت پر رہے یہاں تک کہ انھیں مذہب اسلام میں واپس لے آئے اور عمدہ نظام کی طرف انھیں لوٹا دیا۔ پھر آپ اسلامی امور کی تدبیر اور انتظام کرتے رہے، یہاں تک کہ کسری وفارس کے بادشاہوں کے خلاف فیصلہ لیا، ان کے تخت شاہی پر قابض ہو گئے۔ انھیں زیرِ فرمان اور تابع کیا، ذلیل ورسوا کیا اور اللہ تعالی نے انھیں بڑے علاقوں اور شہروں پر فتح ونصرت عطا فرمائی حالاں کہ صدیق اکبر فارس میں ہی مقیم تھے وہاں سے کہیں گئے بھی نہیں۔

(۱) صحیح البخاری، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ۔صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔ حدیث نمبر: ۷۲۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبعہ اولی ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ان کے نقش قدم پر چلے، ان کا اتباع کیا، ان کی سیرت کو اپنایا، اور ان کے آثار وانوار کی اقتدا کرتے ہوئے انھیں کی طرح سیاسی سوجھ بوجھ اور فکر وتدبر سے کام لیا، یہاں تک کہ کئی ممالک فتح کیے، راستوں کو پر امن بنا دیا، اسلام مصر وشام سے لے کر بلاد ہند تک پہنچ گیا، اور مسلمان، کئی بلاد عجم مثلاً آذر بائجان، خراسان، فارس اور کرمان کے مالک ہو گئے۔ پھر ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ بھی اسی راہ پر قائم رہے۔

مگر جب عہدۂ خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے سپرد ہوا، تو ان کے عہد میں بہت کچھ ہوا، ہر جگہ کے مسلمان بے چینی اور کشمکش کا شکار ہو گئے۔ فتنے رونما ہوئے، اور ایسی جنگیں ہوئیں جن میں ایک ہزار سے زائد صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین جاں بہ حق ہو گئے۔ اور ان امور نے انھیں ایک شہر بلکہ گاؤں تک فتح کرنے، یا سلطنت اسلامی میں کسی جاگیر یا کھیتی کے اضافے تک سے روکے رکھا۔ حالت اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ ہو سکتا تھا کہ ان مقامات پر کفار کا غلبہ ہو جاتا جن کی واپسی کے وہ خواہاں تھے اور مسلمانوں کے کئی لشکروں نے مل کر جنھیں تباہ وبرباد کیا تھا۔ تو بھلا کہاں یہ اصول جہاں بانی اور کہاں وہ اصول حکمرانی؟

اعتراض نمبر (۷):

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ صحابہ میں سب سے بڑے قاری اور سب سے بڑے متقی تھے، لہذا وہی افضل ہوئے۔

جواب: اس دعوے کا باطل ہونا ہر اس شخص کے نزدیک ظاہر ہے جو معرفت صحابہ سے تھوڑا سا بھی واقف ہو گا، پھر بھی ہم اس سے ناواقف شخص کے لیے کئی ایک طرح سے واضح کیے دیتے ہیں: ایک تو یہ کہ اس کی یہ بات اور دعوی رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اس حدیث کی تردید کر رہا ہے جو تمام کتب صحاح میں آپ سے ثابت ہے۔ اور الحمد للہ پوری وضاحت کے ساتھ ماقبل میں وہ حدیث بیان کی جا چکی ہے۔

جہاں تک تقوی کی بات ہے تو بلا شبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم متقی و پرہیز گار تھے، لیکن رہی فضائل کی بات تو فضائل میں صرف اصحاب فضل و کمال ہی کو سبقت و برتری نصیب ہوتی ہے۔ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ سے بڑھ کر کوئی متقی تھا ہی نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں کبھی بھی کوئی غیر مناسب بات زبان پر نہیں لائے، نہ کسی معاملے میں، آپ کی چاہت کے خلاف کیا، نہ نبوت کی تصدیق میں پیچھے رہے، اور نہ ہی یوم حدیبیہ کے موقع پر آپ کے حکم کی بجاآوری میں تردد کیا۔ جب کہ شک کرنے والوں نے شک بھی کیا۔

جب حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے منبر پر تشریف لا کر وہ باتیں کہی تھیں جو معروف ہیں۔[1] (مگر) ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے کسی ایسی چیز میں توقف کیا ہو جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور اس کے کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی ہو۔

جس وقت رسول اللہ ﷺ قبا سے تشریف لائے تو دیکھا کہ ابو بکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں، پھر جب ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، نبی کریم ﷺ نے اپنی جگہ کھڑے رہنے کا اشارہ کیا، تو ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس پر اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کی پھر پیچھے ہٹ گئے اور صف مین شامل ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد حضرت ابو بکر سے پوچھا: جب میں نے تمھیں حکم دے دیا تھا تو تم اپنی جگہ رکے کیوں نہیں؟ حضرت ابو بکر نے عرض کیا: ابو قحافہ کے بیٹے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھے۔[2]

---

(۱) صحیح البخاری، باب ما ذکر من درع النبی . . . ، حدیث نمبر: ۳۱۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء طبعہ اولی۔

(۲) صحیح البخاری، باب من دخل لیوم، حدیث نمبر: ۶۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء طبعہ اولی۔

تو یہ بارگاہ رسالت میں انتہائی تعظیم وتکریم، طاعت وفرماں برداری اور عاجزی وانکساری کی دلیل ہے اور رسول اکرم ﷺ نے بھی اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، اور چوں کہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ صحابہ میں سب سے بڑے عالم تھے، تو یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ ڈرنے والے ہوں کیوں کہ قرآن پاک میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا"

اللہ سے اس کے بندوں میں علما ہی ڈرتے ہیں۔

اور تقوی خوفِ خدا ہی کا تو نام ہے۔

اعتراض نمبر (۸):

اگر ابو بکر کی امامت (خلافت) حق ہوتی تو حضرت علی چھ ماہ تک ان کی بیعت سے نہ رکتے۔

جواب:

ہاں تاخیر ہوئی تھی، لیکن جب ان کے نزدیک حق ظاہر ہو گیا تو رجوع کر لیا اور اپنی خطا کا اعتراف بھی کیا، جب چھ ماہ بعد انھوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ سے بیعت لی تو بدیہی طور پر یہ دو حال سے خالی نہیں:

(۱) یا تو تاخیر کرنے میں صحیح تھے تو بیعت کر کے خطا کار ٹھہرے۔

(۲) صدیق اکبر سے بیعت لینا درست تھا، تو بھی تاخیر کی وجہ سے خطاوار ٹھہرے۔

مگر وہ کثیر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جنھوں نے حضرت علی کی بیعت لینے سے انکار کر دیا تھا، انھوں نے اپنی خطا کا اعتراف نہیں کیا، بلکہ کچھ تو مخالفت ہی کرتے رہے، اور کچھ نہ موافق تھے نہ مخالف۔ اور بہت کم صحابۂ کرام نے ان کا اتباع کیا، شام، مصر، عراق اور حجاز کے تقریبا دو لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے آپ سے بیعت نہیں لی۔ اب ان کا حکم

بیعت نہ لینے میں وہی ہوگا جو حکم حضرت علی کا حضرت ابو بکر -رضی اللہ تعالی عنہما- کی بیعت سے تاخیر کی صورت میں ہوگا۔

اور جب ان رافضی، جاہل وسرکش گمراہوں کا ہر دعوی باطل ہے تو یہ ثابت ہوگیا کہ جناب ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی ہی ایسی ذات ہے جو علم، قراءت، جہاد، زہد وتقوی، خوف خدا، صداقت، آزاد کرنے، اطاعت وفرماں برداری اور تدبیر وسیاست میں سب سے آگے تھی کیوں کہ یہ سب فضل وکمال کے اسباب ہیں۔ لہذا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ بلا شبہہ تمام صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔

ہم نے ان کے خلاف احادیث سے استدلال نہیں کیا، اس لیے کہ یہ لوگ ہماری حدیثوں کی تصدیق نہیں کرتے، اگرچہ وہ متواتر ومشہور ہونے کی بنیاد پر واجب التصدیق ہی کیوں نہ ہوں۔ کیوں کہ صحیح بخاری ومسلم کو امت میں قبولیت عامہ حاصل ہے اور یہ امت گمراہی اور باطل پر جمع ہونے سے معصوم ہے۔

اور ہم بھی ان حدیثوں کی تصدیق نہیں کرتے جن کو صرف اس گروہ نے روایت کیا ہے اس لیے کہ ان احادیث کا باطل اور موضوع ہونا ان ائمہ ثقات کی شہادت سے ثابت ہے جنھوں نے ان میں طعن کیا ہے۔ مثلاً: امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی، ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبل اور ابو عبد اللہ امام محمد بن اسماعیل بخاری وغیرہ۔ بس جواب میں ہم نے بقدر کفایت باتیں ذکر کر کے ضروری دلائل وبراہین پر اکتفا کیا ہے۔

اگر امامت کے مستحق وہ حضرات ہیں جو فضل وکمال میں مقدم ہونے کی وجہ سے مستحق ہیں تو ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں، نص صحیح ان کی خلافت کے بارے میں موجود ہے، اب جب ان کی امامت وخلافت صحیح ہے تو مذکورہ دلائل کی روشنی میں، نیز اجماع مسلمین کی بنا پر ان کے (اپنے بعد) حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو خلیفہ بنانے میں ان کی اطاعت وپیروی لازم تھی۔

اس کے بعد تمام امت مسلمہ کا بلا اختلاف اس بات پر اجماع تھا کہ حضرت عثمان غنی

رضی اللہ تعالی عنہ کی امامت وخلافت صحیح ہے۔

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کی بات ہے تو بلا شبہہ وہ حق ہے، لیکن کسی نص یا اجماع سے نہیں، بلکہ ایک دوسری دلیل سے، وہ یہ کہ جب کسی امام (خلیفہ وقت) کا وصال ہوجائے اور وہ کسی کو وصیت بھی نہ کرسکے تو (لازم ہے کہ) ایک مستحق امامت شخص آگے آئے اور لوگوں کو اپنی طرف بلائے، ساتھ ہی کوئی دوسرا مد مقابل بھی نہ ہو، تو اب اس کی اطاعت وفرماں برداری، اور بیعت وخلافت قبول کرلینا فرض ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ایسا ہی کیا تھا، لہذا ان کا اتباع بھی لوگوں پر واجب تھا۔ حضرت ابن زبیر نے بھی یہی کیا، اور ان دونوں سے پہلے حضرت خالد بن ولید بھی ایسا کرچکے تھے جس وقت امرائے لشکر حضرت زید، جعفر اور عبد اللہ بن رواحہ نے جام شہادت نوش کرلیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے بغیر امیر بنائے ہوئے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا، پھر جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے بھی اسے درست قرار دیا۔ اور مسلمانوں نے ان تمام امور میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کا ساتھ بھی دیا۔

ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ، کی فضیلت سورۂ توبہ کی آیت کی روشنی میں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے مشہور فضائل میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

"اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (التوبہ: ۴۰)

ترجمہ: جب کافروں نے انھیں (ان کے وطن سے) نکال دیا تھا اور یہ دو میں سے دوسرے تھے۔ دونوں غار میں تھے، جب یہ اپنے ساتھی سے فرماتے تھے، غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت ابو بکر کے بارے میں یہ ایسی فضیلت ہے جس میں مسلمانوں کا کوئی

اختلاف نہیں۔

اللہ تعالی نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت میں ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کی شرکت کی فضیلت کو ثابت فرمایا، اور آپ کو صاحب (صحابی) کے نام سے خاص کیا، کیوں کہ غار میں دوسرے شخص آپ ہی تھے۔ اور ان سب سے بڑی فضیلت تو یہ تھی کہ اللہ تعالی ان دونوں کے ساتھ تھا، اور یہ وہ فضیلت ہے جس میں کوئی آپ کا شریک نہیں۔

کسی احمق نے اس پر یہ آیت پیش کرتے ہوئے اعتراض کر ڈالا:

"فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا" تو اپنے ساتھی سے گفت وشنید کرتے ہوئے بولا: میں مال میں تجھ سے زیادہ ہوں۔

"اس بے وقوف نے یہ بھی کہا کہ ابوبکر غم گین ہوے تو نبی اکرم ﷺ نے انھیں اس سے منع فرما دیا۔ اگر ابوبکر کا رنجیدہ ہونا رضاے الہی کے لیے ہوتا تو رسول اللہ ﷺ انھیں منع نہ فرماتے۔"

جواب: یہ باطل کا اظہار ہے۔ جہاں تک بات ہے اللہ تعالی کے ارشاد: "فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا" کی تو ہمیں خبر دی گئی ہے کہ (مذکورہ آیت میں) دونوں میں ایک مومن، دوسرا کافر تھا اور دونوں (دین ومذہب میں) مختلف تھے۔ صرف باہمی بات چیت اور ہم نشینی کی وجہ سے کافر کو (صاحب) ساتھی کے نام سے موسوم کیا، جیسا کہ (حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں) ارشاد باری تعالی ہے: "وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا" (ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا)

تو یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کو دینی بھائی نہیں ٹھہرایا، بلکہ وطن اور نسب کی بنا پر اللہ تعالی نے اس طرح خطاب فرمایا۔ جب کہ آیت کریمہ: "اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" میں معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو نبی کریم ﷺ کا دین، ہجرت، مکہ سے نکالے جانے، غار میں رہنے اور دونوں کو نصرت الہی حاصل ہونے اور رحمتِ الہی کے ان دونوں کے ساتھ ہونے کے اعتبار سے صاحب

(ساتھی) قرار دیا۔ تو نص قرآن کی وجہ سے یہ صحبت ورفاقت انتہائی فضل وکمال والی ہے، جب کہ وہ صحبت (معترض کی پیش کردہ آیت میں) انتہائی ذلت ورسوائی والی ہے۔

جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے حزن وملال کی بات ہے تو وہ رسول کریم ﷺ کے منع فرمانے سے پہلے (بھی) محض اللہ کی رضا کے لیے تھا، اس لیے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو لے کر فکر مند تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی بھی ان کے ساتھ تھا، جب کہ اللہ تعالی نافرمانوں کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ ان کا مخالف ہوتا ہے۔

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ اس کے بعد کبھی رنجیدہ نہ ہوئے جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں غم کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ اگر اس معترض کو ذرا بھی شرم وحیا یا دین کا پاس ولحاظ ہوتا تو اس اہم مقام میں اس طرح کی حماقت اور بے وقوفی نہ دکھاتا، اس لیے کہ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کا غمگین ہونا ان کے حق میں عیب کی بات تھی تو یہ الزام تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت موسی علیہ السلام پر بھی آتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾" (القصص:۳۵)

ترجمہ: قریب ہی ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے قوت دیں گے، اور ہم تم دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے، تو وہ تم دونوں کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے، ہماری نشانیوں کے سبب، تم دونوں اور جو تمھاری پیروی کریں گے، غالب آؤ گے۔

پھر فرمایا:

" فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾" (طٰہٰ:۶۶-۶۸)

"جبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے، ان کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں، تو اپنے دل میں موسی نے خوف محسوس کیا، ہم نے فرمایا: ڈر نہیں، بے

شک توہی غالب ہے۔"

تو موسی علیہ السلام، اللہ کے پیغمبر اور کلیم اللہ ہیں جن کو اللہ نے یہ خبر دی تھی کہ فرعون اور اس کے گروہ کی رسائی ان تک نہیں ہو سکے گی، اور ان کے متبعین ہی غالب رہیں گے، پھر بھی موسی علیہ السلام جادو دیکھنے کے وقت دل ہی دل میں ڈر گئے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے وحی نازل کی: "لَا تَخَفْ" تو یہ معاملہ تو ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے معاملے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

رہ گئی حضور ﷺ کی بات تو انھیں اللہ تعالی کی طرف سے (اس طرح کے) خطابات کیے گئے:

(۱) "وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ" (لقمان: ۲۳) اور جو کفر کرے تو تم اس کے کفر سے غم نہ کھاؤ۔

(۲) "وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ" (النحل: ۱۲۷) اور تم ان پر غم نہ کھانا۔

(۳) "فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ" (یس: ۷۶) ان کی بات تمھیں رنجیدہ نہ کرے۔

(۴) "فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ" (فاطر: ۸) تو تمھاری جان ان پر حسرتوں میں نہ جائے۔

(۵) "فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝" (الکھف: ۶) ایسا لگتا ہے کہ تم غم میں ان کے پیچھے خود کو ہلکان کر دو گے، اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔

(اس طرح) اللہ تعالی نے ہمیں حضور کے غمگین ہونے کے بارے میں بتایا اور حضور کو اس سے منع بھی فرمایا تو رسول اللہ ﷺ کے رنج و غم میں بھی تو وہی بات لازم آ رہی ہے جسے یہ رافضی ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے حزن و غم میں بتانا چاہتے تھے۔

پھر کفار کے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا غمگین ہونا، نہی وارد ہونے سے پہلے، محض اللہ کی رضا کے لیے تھا۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ابو بکر

رضی اللہ تعالی عنہ اس دن غم گین نہ ہوں، اور نبی ﷺ کا انھیں غم سے روکنا یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا:

"وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝" (الدھر:۲۴) ان میں کسی گنہ گار یا ناشکرے کی بات نہ سنو۔

اعتراض:

اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

"وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝" (الدھر)

ترجمہ: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین، یتیم اور قیدی کو۔

اس گروہ کا کہنا یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ مراد ہیں۔

جواب: یہ قطعاً صحیح نہیں، بلکہ آیت اپنے عموم اور ظاہر پر ہے، یہ آیت ہر اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جو بھی ایسا کرے، اہل تحقیق مفسرین کا یہی پسندیدہ مذہب ہے۔ نیز یہ تاویل و تخصیص سورت کی ترتیب میں بگاڑ کا سبب بنے گی، کیوں کہ اس کا ماقبل اور مابعد سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ ایک اجنبی کلام ہے جو سورت کے درمیان لایا گیا ہے۔ اور اگر مان لیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہی مراد ہیں تو بھی اس میں ان کی فضیلت و عظمت کی زیادتی پر کوئی دلیل نہیں، کیوں کہ (اللہ کی رضا کے لیے مسکینوں اور غریبوں کی مدد کرنا) یہ ایک ایسی صفت ہے جس سے اکثر صالحین متّصف ہوتے ہیں۔

فضائل صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ احادیث کی روشنی میں:

وہ احادیث جو ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے ان فضائل کے بارے میں آئی ہیں جن میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں، ایسی احادیث کی تعداد بھی بہت ہے۔ مثلاً:

(۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ فرمایا: میرے لیے میرے ساتھی کو چھوڑ دو، جس وقت لوگوں نے کہا تھا: "كَذَبْتَ" (محمد

تم نے جھوٹ بولا) اور ابو بکر نے کہا تھا "صَدَقْتَ (یارسول اللہ آپ نے سچ فرمایا۔)[1]

(۲) اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا، ہاں! وہ میرے بھائی اور میرے دوست ہیں۔[2]

یہ ایسی فضیلت ہے جو ان کے علاوہ کسی کے لیے ثابت نہیں ہے۔

رہی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے حضور کی مواخات کی بات تو صحیح سند کے مطابق حضرت علی اور سہل بن حنیف کے ساتھ مواخات ثابت ہے۔[3]

(۳) نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی کے ہر دروازے اور روشن دان کو بند کرنے کا حکم دیا سوائے اس روشن دان کے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف تھا۔[4]

یہ فضیلت بھی آپ کے ساتھ خاص ہے۔

اللہ ان رافضیوں کو رسوا کرے، انھوں نے مذکورہ روایت اس حدیث کی وجہ سے بدل ڈالی جسے زید ابن ارقم نے سند منکر کے ساتھ روایت کیا، ان ملحدوں نے اس کا مصداق حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کو ٹھہرایا، (اور کہا کہ) دروازہ اور روشن دان تو حضرت علی کی طرف تھا اور انھیں بند کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالی ان کے منھ باطل سے بھر دے۔ جب شرم وحیا نہ ہو تو جو چاہو کرو۔ اگر اس حدیث کی کوئی سند مل بھی جائے تو وہ اس درجہ کو نہیں پہنچے گی جسے بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

(۴) (وفات کے وقت) نبی کریم ﷺ اس (ام المومنین حضرت عائشہ رضی

---

(۱) صحیح البخاری، باب قل یا ایھا الناس إنی رسول اللہ إلیکم جمیعا، حدیث نمبر: ۴۶۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء طبعہ اولی.

(۲) صحیح مسلم، باب من فضائل ابي بکر الصدیق، حدیث نمبر: ۲۳۸۲، دار الکتاب العربي، طبعہ اولی، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء.

(۳) الطبقات الکبری لابن سعد، ذکر سھل بن حنیف، ص: ۳۵۹، ج: ۳، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء، طبعہ ثانیہ۔

(۴) صحیح البخاری، باب الخوخۃ والممر فی المسجد، حدیث نمبر: ۴۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

اللہ تعالی عنہا) پر ناراض ہو گئے تھے جس نے نماز پڑھانے کے لیے ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے علاوہ کسی اور کا مشورہ دیا تھا۔ (۱)

(۵) نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: بلا شبہہ ابو بکر میرے نزدیک صحبت و رفاقت اور مال میں لوگوں میں سب سے زیادہ بھروسے مند ہیں۔ (۲)

(۶) یہ حدیث صحابۂ کرام پر شیخین رضی اللہ تعالی عنہما کی فضیلت کے تعلق سے اہل اسلام کے درمیان معتمد ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! لوگوں میں آپ کا زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: عائشہ، پھر سوال ہوا: اور مردوں میں؟ فرمایا: ان کے والد، پھر پوچھا گیا: یارسول اللہ پھر کون؟ فرمایا: عمر۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے فضائل میں صحیح احادیث نبویہ:

(۱) نبی کریم ﷺ نے (حضرت علی سے) ارشاد فرمایا:

تمھارا میرے نزدیک ایسا ہی مرتبہ ہے جیسا موسی علیہ السلام کے نزدیک ہارون کا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (۴)

(۲) حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ و رسول بھی اس سے محبت فرماتے ہیں“۔ (۵)

---

(۱) صحیح البخاری، باب حد المریض أن یشھد، حدیث نمبر: ۶۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

(۲) صحیح البخاری، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ، حدیث نمبر: ۲۳۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

(۳) صحیح البخاری، باب قول النبی: لو کنت متخذا خلیلی، حدیث نمبر: ۳۶۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

(۴) صحیح مسلم، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ، حدیث نمبر: ۲۴۰۴، دار الکتاب العربی، بیروت۔

(۵) صحیح مسلم، باب من فضائل علی بن ابی طالب، حدیث نمبر: ۲۴۰۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء طبعہ اولی۔

یہ صفت ایسی ہے جو ہر صاحبِ فضیلت مومن میں موجود ہے۔

☆ اللہ کے رسول ﷺ نے جو باتیں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو وصیت فرمائی تھیں، ان میں یہ بھی تھی کہ "بلا شبہہ مومن ہی تجھ سے محبت رکھے گا، اور منافق ہی تجھ سے بغض وحسد رکھے گا۔"[۱]

(مگر) اس طرح کی باتیں تو انصار صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کے بارے میں بھی سند صحیح سے ثابت ہیں کہ ان سے مومن ہی محبت رکھے گا، اور کسی منافق کو ہی ان سے بغض ہو گا۔ اور جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے وہ ان سے بغض نہیں رکھے گا۔[۲]

جہاں تک بات ہے حدیث "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ"[۳] (جس کا میں مولی ہوں اس کے علی مولی ہیں) کی تو ثقہ راویوں کی سند سے یہ حدیث صحیح نہیں[۴]

---

(۱) جامع ترمذی، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ، حدیث: ۳۷۴۵، دار احیاء التراث، بیروت، طبعہ اولی ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء۔

(۲) صحیح بخاری، باب حُبّ الأنصار، حدیث نمبر: ۳۷۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

(۳) جامع ترمذی، باب مناقب علی بن ابی طالب، حدیث: ۳۷۲۲، دار احیاء التراث، بیروت، طبعہ ۲۰۰۰ء۔

(۴) اس حدیث کو بعض محدثین مثلاً: امام زیلعی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جب کہ اکثر کے نزدیک یہ حدیث یا توصحیح ہے یا حسن ہے۔ اور بعض نے اسے متواتر تک مانا ہے۔ بہر حال حدیث تو ثابت ہے، مگر اس کا وہ مطلب نہیں جو روافض بیان کرتے ہیں، کیوں کہ یہ لوگ اسی حدیث کو بنیاد بنا کر "مولی" کا معنی "آقا" اور "حاکم" کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے خلافتِ بلا فصل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالاں کہ لفظ مولی کے تقریباً ۲۰؍ معانی آتے ہیں صرف مولی بمعنی آقا و حاکم کو ترجیح دینا ترجیح بلا مرجح ہے۔ بلکہ حدیثِ شریف کا تقاضہ یہاں یہ ہے کہ "مولی" کا معنی "دوست"، "پیارا" اور "محبوب" ہو۔ کیوں کہ اس کی تائید حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قول سے بھی ہو رہی ہے۔ "اللهم والِ من والاه، وعاد من عاداه" اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو علی سے دشمنی رکھے، تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔ ملاحظہ کیجیے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے فرمان میں ایک طرف "ولاء" ہے اور دوسری طرف عداوت ہے، اور عداوت کا مقابلہ ولاء (دوستی) سے ہوتا ہے، آقا سے نہیں۔ اور یہ حدیث

بھی حسن ہے، آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث "من كنت مولاه، فعلى مولاه" کے متعلق شارح صحیح مسلم حضرت امام نووی علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ کیا حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم، حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے بھی مولی ہیں؟ اور کیا یہ دونوں حضرات، حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے افضل ہیں؟

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا جواب ملاحظہ کیجیے فرماتے ہیں:

وأما قوله - صلى الله عليه وسلم -: "مَنْ كُنْتُ مَوْلاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلاهُ" فحديث صحيح، رواه الإمام أبو عيسى الترمذيُّ وغيرهُ. قال الترمذي: هو حديث حسن؛ ثم معنى هذا الحديث عند العلماء الذين هم أهل هذا الشأن، وعليهم الاعتمادُ في تحقيق هذا ونظائِرِهِ، مَنْ كنت ناصرَه، ومُوالِيَه، ومحبَّه ومصافيَه فعلي كذلك.

قال الإمام أبو عبد الله: "محمد بنُ إدريس الشافعيُّ" رحمه الله تعالى أراد النبي - صلى الله عليه وسلم - بذلك وَلاءَ الإسلام، كما قال الله تعالى: {ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ}.

وقد قال العلماء من أهل اللغة وغيرهم: إن اسم المولى يطلق على نحو عشرين معنى، منها: ١ - الرب. ٢ - والمالك. ٣ - السيد. ٤ - والعبد. ٥ - والمنعم. ٦ - والمنعم عليه. ٧ - والمعتِق. ٨ - والمعتَق. ٩ - والناصر. ١٠ - والمحب. ١١ - والتابع. ١٢ - والجار. ١٣ - وابن العم. ١٤ - والحليف. ١٥ - والصهر. ١٦ - والعقيل.

ويحصُل بما ذكرناه أن عليًا مولى لهما، وأنهما موليان له، ولا يلزم من ذكره وحده نفيُه عن غيره . . . وأما قول السائل: هل هما أفضل منه؟. فاعلم! أنَّ كل واحد منهما أفضلُ من علي بإجماع أهل السنة، ودلائلُ هذا في الأحاديث الصحيحة المشهورة أشهرُ من أن تشهر، وأظهر أن تُذكر، اهـ ملتقطا. (فتاوی الإمام النووی المسماة بالمسائل المنثورة، ص:۲۵۱ تا ۲۵۳، دائر البشائر الاسلامیہ، بیروت، الطبعۃ السادسہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء)

یعنی حدیث رسول ﷺ "من كنت مولاه، فعلى مولاه" حدیث صحیح ہے، امام ترمذی وغیرہ نے اسے روایت کیا۔ بلکہ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ پھر اور اس فن کے ماہر اور اس جیسی تحقیقات میں معتمد علیہ علما کے نزدیک حدیث مذکور کا معنی ہے: میں جس کا

مددگار، دوست اور محب ہوں تو علی (رضی اللہ تعالی عنہ) بھی ایسے ہی ہیں۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مراد اسلامی محبت اور دوستی تھی جیسا کہ رب تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالی مومنوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی حامی و مددگار نہیں۔
علمائے لغت اور دیگر علما فرماتے ہیں: لفظ "مولی" کا اطلاق تقریباً ۲۰/ معانی پر ہوتا ہے:
(۱) مربّی (۲) مالک (۳) سردار (۴) غلام (۵) انعام دہندہ (۶) انعام یافتہ، (۷) آزاد کرنے والا (۸) آزاد کردہ غلام (۹) مددگار (۱۰) محب (۱۱) تابع (۱۲) پڑوسی (۱۳) چچازاد بھائی (۱۴) معاہد (۱۵) داماد، بہنوئی، (۱۶) عقیل، سمجھدار۔
حاصل یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ، شیخین کے مولی ہیں، اور شیخین حضرت علی کے مولی ہیں، حدیث میں صرف حضرت علی کا ذکر بقیہ افراد کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔ اور جہاں تک بات ہے شیخین رضی اللہ تعالی عنہما کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے افضل ہونے کی تو اس سلسلے میں یہ یاد رکھیں کہ اہل سنت و جماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک، حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے افضل ہے۔ احادیث صحیحہ مشہورہ میں اس پر دلیلیں موجود ہیں جو خود مشہور تر اور زیادہ ظاہر و باہر ہیں۔
حضرت ملا علی قاری "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح" میں فرماتے ہیں:

قيل: معناه: من كنت أتولاه فعلي يتولاه من الولي ضد العدو أي: من كنت أحبه فعلي يحبه، وفي النهاية: المولى يقع على جماعة كثيرة فهو الرب والمالك والسيد والمنعم والمعتق والناصر والمحب . . . وأكثرها قد جاءت في الأحاديث فيضاف كل واحد إلى ما يقتضيه الحديث الوارد فيه، وقوله: " من كنت مولاه ". يحمل على أكثر هذه الأسماء المذكورة . . . قال الطيبي: لا يستقيم أن تحمل الولاية على الإمامة التي هي التصرف في أمور المؤمنين، لأن المتصرف المستقل في حياته -صلى الله تعالى عليه وسلم- هو هو لا غيره، فيجب أن يحمل على المحبة وولاء الإسلام ونحوهما. . . والحاصل أن هذا حديث صحيح لا مرية فيه، بل بعض المحققين عده متواترا.

یعنی "من کنت مولاہ" کا مطلب ہے "من کنت أتولاہ، فعلی یتولاہ" یہ مولی، ولی

سے ہے جو عدو کی ضد ہے یعنی جس سے میں محبت کرتا ہوں، علی بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔
نہایہ میں ہے: لفظ مولی جماعت کثیرہ کے لیے آیا ہے مثلا: مربی، مالک، حاکم، فیاض و سخی، ناصر، محب، تابع.... اور ان میں سے اکثر الفاظ احادیث مبارکہ میں آئے ہیں اور ہر ایک کا معنی موقع و محل کے لحاظ سے متعیّن کیا گیا ہے جب کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد ”من کنت مولاہ“ میں لفظ مولی کو مذکورہ اسما میں سے اکثر پر محمول کیا جاسکتا ہے.... علامہ طیبی فرماتے ہیں: یہاں ولایت کو امامت یعنی لوگوں کے معاملات کی انجام دہی پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کی مبارک حیات میں مستقل تصرف کرنے کا حق صرف اور صرف آپ کو حاصل تھا۔ لہذا ولایت کو محبت اور اسلامی تعلق یا ان جیسے معانی پر ہی محمول کرنا واجب ہے۔
خلاصہ یہ کہ یہ حدیث بلا شبہ صحیح ہے، بلکہ بعض محققین نے تو اسے متواتر تک مانا ہے۔
اس کے چند سطور کے بعد ”اللھم وال من والاہ“ کے تحت لکھتے ہیں:
”ودفعها علماء أهل السنة بأن المولى بمعنى المحبوب وهو - كرم الله وجهه - سيدنا وحبيبنا، وله معان أخر تقدمت، ومنه الناصر وأمثاله، فخرج عن كونه نصا فضلا عن أن يكون صريحا ولو سلم أنه بمعنى الأولى بالإمامة فالمراد به المآل، وإلا لزم أن يكون هو الإمام مع وجوده - عليه السلام - فتعين أن يكون المقصود منه حين يوجد عقد البيعة له، فلا ينافيه تقديم الأئمة الثلاثة عليه لانعقاد إجماع من يعتد به حتى من علي ثم سكوته عن الاحتجاج به إلى أيام خلافته قاض على من له أدنى مسكة بأنه علم منه أنه لا نص فيه على خلافته عقب وفاته - عليه السلام -.
ثم هذا الحديث مع كونه آحادا مختلف في صحته، رواه أحمد في مسنده، وأقل مرتبته أن يكون حسنا فلا التفات لمن قدح في ثبوت هذا الحديث،اهـ ملتقطا.
(ص:۲۴۷ تا ۲۵۹، باب مناقب علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ، ج:۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۱ء)
یعنی علمائے اہل سنت نے یہ جواب دیا ہے کہ ”مولی“ بمعنی محبوب ہے۔ اور بلا شبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہمارے آقا اور محبوب ہیں۔ اس لفظ کے ناصر وغیرہ اور معانی بھی آتے ہیں، لہذا یہ حدیث (اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ، وعاد من

عاداہ) حضرت علی کی خلافت بلافصل پر نص ہونے سے ہی خارج ہوگئی، صریح ہونا تو دور کی بات ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ مولی، اولی بالامامہ کے معنی میں ہے تب بھی اس کا مطلب ہے کہ مستقبل میں خلیفہ ہوں گے، ورنہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں ہی ان کا خلیفہ ہونا لازم آئے گا۔ لہذا یہ طے ہو گیا کہ اس سے مراد مولی بمعنی خلیفہ اس وقت ہے جب بیعت کا وقت آئے، اس لیے باقی تینوں خلفا کا ان پر مقدم ہونا اس حدیث کے بالکل بھی خلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ معتد بہ صحابہ کرام بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بھی اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اپنے زمانہ خلافت تک خاموشی اختیار کرنا ہی ادنی سوجھ بوجھ رکھنے والے کے لیے یہ فیصلہ کر رہا ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی معلوم تھا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد ان کی خلافت پر اس حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے۔

اور یہ حدیث (بروایت براء بن عازب، جس میں "اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" کی زیادتی ہے) خبر واحد ہے، محدثین کا اس کی صحت میں اختلاف ہے، امام احمد نے اپنی مسند میں اسے روایت کیا ہے تو کم از کم یہ حدیث حسن تو ہے، اب جنھوں نے اس میں جرح وقدح کی ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

ہو سکتا ہے ہماری بات یہ کہ کر رد کر دی جائے کہ یہ سب تمھارے اپنے ائمہ کے اقوال ہیں جو ہمیں قبول نہیں۔ اس لیے اخیر میں ایک شہادت خاندان اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک فرد کی طرف سے پیش کرتا ہوں تاکہ اس کی بھی گنجائش نہ رہے۔

امام ضیاء الدین مقدسی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنی کتاب "النھی عن سب الاصحاب" (جس کا شان دار اردو ترجمہ محب گرامی حضرت مولانا محمد رئیس اختر مصباحی، بارہ بنکوی نے "گستاخان صحابہ کا انجام" کے نام سے کیا ہے اور اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام یہ کتاب شائع بھی ہو چکی ہے۔) میں رقم طراز ہیں:

(حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک رافضی سے جو "مولی" کا معنی "اولی بالخلافۃ" سمجھتا تھا یہ فرمایا:)

وَلَوْ كَانَ الْأَمْرُ كَمَا تَزْعُمُونَ وَأَنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ اخْتَارَا عَلِيًّا لِهَذَا الْأَمْرِ وَلِلْقِيَامِ عَلَى النَّاسِ بَعْدَهُ إِنْ كَانَ أَعْظَمَ النَّاسِ فِي ذَلِكَ خَطِيئَةً وَجُرْمًا إذ تَرَكَ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُومَ فِيهِ كَمَا أَمَرَهُ أَوْ يَعْذُرَ فِيهِ إِلَى النَّاسِ.

اور اس کے ساتھ ان کی طرف سے لاحق کی گئی زیادتی ”اللّٰھم وال من والاہ، وعاد من عاداہ“ (۱) (اے اللہ! اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے) بھی سند صحیح سے ثابت نہیں۔

بلکہ اس کے علاوہ وہ تمام احادیث جن سے شیعوں، رافضیوں کا تعلق ہے، سب من گھڑت اور موضوع ہیں، ناہمارے قلم کی سیاہی کے لائق ہیں، نہ ان کا نقل کرنا روا ہے اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ انھیں ثابت کر کے ورق ضائع کیا جائے، کیوں کہ ائمۂ حدیث اور ائمۂ علم کے نزدیک ان کا باطل ہونا بالکل واضح ہے۔

خیال رہے یہ چند کلمات ہماری جانب سے ان لوگوں کے جواب میں جو مستحق جواب نہیں ہیں، صرف تبرع ہیں۔ اور خالی الذہن لوگوں کے لیے تنبیہ ہے، تاکہ ان کے دماغ

اور اگر معاملہ ویسا ہی ہوتا جیسا تمھارا خیال ہے کہ اللہ ورسول نے امرِ خلافت کے لیے اور مسلمانوں کے معاملات کی انجام دہی کے لیے حضرت علی کو منتخب فرمایا تو اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سب سے بڑے خطا کار اور مجرم ہوں گے کیوں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی منشا کے مطابق ان کے حکم کی بجاآوری نہ کرنے کی لوگوں سے معذرت نہیں کی۔ پھر ایک رافضی نے ان سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے نہیں فرمایا تھا ”میں جس کا مولی، علی اس کے مولی“۔ آپ نے فرمایا:

أَمَا وَاللهِ أَنْ لَوْ عَنَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ الْإِمَارَةَ وَالسُّلْطَانَ وَالْقِيَامَ عَلَى النَّاسِ لَأَفْصَحَ لَهُمْ بِذَلِكَ كَمَا أَفْصَحَ لَهُمْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَلَقَالَ لَهُمْ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هَذَا وَلِيُّ أَمْرِكُمْ مِنْ بَعْدِي فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا فَإِنَّ أَنْصَحَ النَّاسِ كَانَ لِلْمُسْلِمِينَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ص: ۶۵، مطبوعہ، الدار الذھبیۃ)

سنو! اللہ کی قسم! اگر اس سے حضور کی مراد خلافت وامارت اور لوگوں کے معاملات کی انجام دہی ہوتی تو وہ یہ بات صاف صاف بتا دیتے جس طرح نماز، روزہ، زکات، حج کے بارے میں صاف صاف بتادیا۔ اور یوں فرماتے: اے لوگو! یہ میرے بعد تمھارے معاملات کے والی ہیں تو ان کی بات سننا اور ان کا حکم ماننا؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے سب سے بڑے خیر خواہ تھے۔“ (محمد ذیشان مصباحی)

(۱) سنن ابن ماجہ، باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، حدیث: ۱۱۴۶۔

میں ان خرافات میں سے کچھ بیٹھ نہ جائیں جن کے ذکر سے انھیں شرم نہیں آئی، اور انھیں لکھ مارنے میں اوراق کثیرہ ضائع کر بیٹھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک فرقۂ امامیہ کی بہت سی قدیم وجدید کتابوں سے ان کا یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن میں تبدیلی ہو چکی ہے، غیر قرآن کو بھی اس میں ملا دیا گیا ہے، اس میں کچھ گھٹایا گیا ہے اور بہت کچھ تبدیلی کی گئی ہے سوائے علی بن حسین بن موسی بن محمد بن ابراہیم بن موسی بن جعفر کے جو امامیہ فرقے سے تھا، اس کے باوجود وہ اس عقیدے سے علاحدگی کا اظہار کرتا تھا اور اس قول کو ناپسند کرتا تھا، اور قائل کی تکفیر کرتا تھا، اسی طرح اس کے دونوں تلامذہ ابو یعلی اور ابو قاسم رازی بھی تکفیر کے قائل تھے، جب کہ باقی امامیہ کا عقیدہ وہی ہے جو ہم نے بیان کیا، اور جس کا دین ومذہب ایسا ہو وہ ہماری طرف سے جواب دیے جانے کے لائق نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے شمشیر براں ہی جواب ہے۔

پھر اس مصنف غیر منصف ابن مطہر نے ایسی سند سے حدیث بیان کی جو میرے نزدیک اس کے قابل فخر فرزند محمد کی تحریر سے ثابت ہے، اور اس نے مجھ سے وہ حدیث اپنے والد سے روایت کی اس نے مشائخ کے ذریعہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی کہ آپ سے ابو بکر وعمر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ”إمامان عادلان مقسطان كانا على الحق والحق معهما.“

وہ دونوں عادل اور انصاف پرور امام تھے، وہ حق پر تھے اور حق ان کے ساتھ تھا۔

جب یہ بات حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ثابت ہے تو ان رافضیوں کے پیش کردہ اقوال اور ملمع سازیاں سب کی سب باطل ہو گئیں۔

پھر ہم نے سند صحیح کے ساتھ محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا اور اس سند میں امام احمد بن حنبل وغیرہ کے نزدیک کوئی کمی نہیں۔ محمد بن حنفیہ نے فرمایا: میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون تھا؟ فرمایا: ابو بکر، میں نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: عمر، میں ڈرا کہ کہیں حضرت عثمان

کا نام نہ لیں، تو میں نے کہا: پھر آپ ؟ فرمایا: میں تو ایک عام مسلمان ہوں۔ (١)

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے سچ فرمایا، اور آپ نے یہ بات تقیہ یا کسی کے ڈر یا جھوٹی تعریف میں نہیں کہی۔ تو اب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کے خلاف جو بھی کہا گیا اور انھوں نے خلافت کے تعلق سے جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی، سب جھوٹ ہے۔

وصال ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا آپ کی افضلیت کو بیان کرنا

ہمارے لیے تو بحث و مباحثہ کی مشقت اور قیل و قال کی پریشانی سے بچنے کے لیے وہی روایت کافی ہے جس کے بارے میں ہمیں خبر دی امام السند عزالدین نے شیخ فخرالدین ابن بخاری سے انھوں نے امام ابوالفرج اموی ابن جوزی (جنھوں نے حدائق میں یہ پوری روایت نقل کی ہے) سے، انھوں نے عبداللہ بن محمد قزار سے، انھوں نے ابوالحسین مہتدی سے، وہ کہتے ہیں: ہم سے حدیث بیان کی ابن قاسم ابن حبابہ نے، وہ کہتے ہیں: ہم سے حدیث بیان کی ابو علی اسماعیل بن عباس الوراق نے وہ کہتے ہیں ہم سے بیان کیا احمد بن منصور نے، وہ کہتے ہیں ہم سے بیان کیا: احمد بن مصعب نے، انھوں نے کہا: ہم سے بیان کیا: عمر بن ابراہیم بن خالد قرشی نے، انھوں نے عبد الملک بن عمیر سے اور انھوں نے اسید بن صفوان سے (ان کی ملاقات نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ثابت ہے) وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کا وصال ہوا اور انھیں کفن پہنا دیا گیا تو مدینۂ منورہ چیخ و پکار سے گونج اٹھا، اس دن کی طرح جس دن حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا وصال ظاہری ہوا تھا۔ حضرت علی مرتضی تیزی سے دوڑتے ہوئے آئے اور کہنے لگے:

"الیوم انقطعت خلافة النبوة"۔ آج خلافتِ نبوت دنیا سے ختم ہو گئی۔

یہاں تک کہ آپ اس گھر میں جاکر رکے جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کفن میں ملبوس تھے، حضرت علی مرتضی نے (ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا:

---

(١) تاریخ ابن عساکر، ص: ۷۴ ۳، ابوبکر الصدیق خلیفہ رسول اللہ، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء۔

اے ابو بکر! اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ رسول اللہ ﷺ کے بہترین رفیق، محب، معتمد ساتھی، رازداں اور مشیر تھے۔ آپ لوگوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے، سب سے زیادہ مخلص مومن، پختہ یقین رکھنے والے، خشیت الٰہی اور زہد و تقویٰ میں سب سے بڑھ کر، دینی معاملات میں سب سے زیادہ سخی، رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ قریبی، سب سے اچھے محافظ، اسلام کے لیے ہمہ وقت کمربستہ رہنے والے، صحابہ میں سب سے بڑے امین، سب سے افضل صحابی، سب سے بلند فضائل و مناقب والے، آپ کے زمانۂ ماضی کے حالات سب سے اچھے، آپ کا مرتبہ سب سے بلند اور آپ ہمارے لیے بہترین واسطہ تھے۔ آپ کی خیر خواہی کا انداز، تبلیغ دین کا طریقہ، شفقتیں اور عطائیں رسول اللہ ﷺ کی طرح تھیں۔

آپ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزز و مکرم، ارفع و اعلیٰ تھے، اللہ جل شانہ آپ کو اپنے رسول کی جانب سے سب سے بہتر اجر عطا فرمائے۔

جس وقت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا تو آپ نے ان کی تصدیق کی، آپ رسول اللہ ﷺ کے لیے سمع و بصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ کو صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ چناں چہ فرمایا:

"وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (محمد) وَ صَدَّقَ بِهٖٓ (ابو بکر) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝" (الزمر:۳۳)

آپ نے مزید فرمایا: اے صدیق اکبر جس وقت لوگوں نے بخل کیا، آپ نے سخاوت کی، لوگوں نے مصائب و آلام میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن آپ ان کے ساتھ رہے۔ آپ محبوب خدا کی صحبت بابرکت سے بہت زیادہ فیض یاب ہوئے۔ آپ کو ثانی اثنین کا لقب ملا، آپ یار غار ہیں، اللہ نے آپ پر سکینہ نازل فرمایا، آپ نے حضور کے ساتھ ہجرت فرمائی، آپ مذہب و ملت میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے۔

آپ نے کار خلافت بہ خوبی نبھایا، جس وقت لوگ مرتد ہوئے تو آپ نے ایسا کارنامہ انجام دیا جو کسی بھی نبی کے خلیفہ کے حصے میں نہ آسکا۔ آپ اس وقت بھی ڈٹے رہے

جب لوگوں میں کمزوری آئی، ان میں اداسی اور مایوسی پھیلنے لگی، جب لوگوں میں کمزوری آئی تو آپ نے انھیں قوت بخشی، آپ نے نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا اس وقت بھی اتباع کیا جب لوگوں میں ضعف آگیا، آپ ان کے لیے خلیفۂ برحق تھے۔ منافقوں کے غضب حاسدوں کے حسد، کافروں کی تحقیر اور باغیوں کے ظلم کے باوجود آپ کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ آپ نے اس وقت بھی امور خلافت انجام دیے، جب لوگوں میں سستی آگئی، اس وقت بھی بولے جب لوگوں کی زبانیں لڑکھڑائیں، اس وقت بھی چلتے رہے جب لوگ ٹھہر گئے، اور آپ کا اتباع کر کے ہدایت یاب ہوگئے۔ آپ پست آواز، باوقار، کم بولنے والے، راست گو، خاموش طبیعت، بلیغ البیان، سب سے پختہ رائے والے، سب سے بہادر، سب سے زیادہ معاملہ فہم اور سب سے افضل عمل کرنے والے تھے۔

اللہ کی قسم! جب لوگوں نے دین اسلام سے دوری اختیار کی تو سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا، آپ مسلمانوں کے سردار تھے، آپ نے ہر حال میں لوگوں پر مہربان باپ کی طرح شفقتیں فرمائیں، جس بوجھ سے تھک کر وہ نڈھال ہوگئے تھے، آپ نے وہ بوجھ بھی اپنے کاندھوں پر لاد لیا۔ جب لوگوں نے لا پروائی کا مظاہرہ کیا تو آپ نے قوم کی باگ ڈور سنبھالی، جس چیز سے لوگ بے خبر تھے، آپ اس سے باخبر تھے اور جب لوگوں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا تو آپ نے صبر سے کام لیا، جو چیز لوگ طلب کرتے آپ عطا فرما دیتے، لوگ آپ کی پیروی کر کے کامیابی کی طرف بڑھتے رہے، اور آپ کی وجہ سے انھیں ایسی ایسی کامیابیاں ملیں جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھیں، آپ کافروں کے لیے دردناک عذاب اور مومنوں کے لیے سراپا رحمت اور محفوظ قلعہ تھے۔

خدا کی قسم! آپ نے اپنی منزل مقصود کی طرف پرواز کر کے اسے پالیا، آپ کی رائے کبھی غلط نہ ہوئی، آپ نے کبھی بزدلی کا مظاہرہ نہ کیا، آپ بہت نڈر تھے، کبھی نہ گھبراتے گویا آپ ہمت و حوصلہ کا ایسا پہاڑ تھے جسے نہ تو آندھیاں ڈگمگا سکیں، نہ ہی سخت گرج والی بجلیاں متزلزل کر سکیں، آپ بالکل ایسے ہی تھے جیسے حضور ﷺ نے آپ کے بارے

میں فرمایا، آپ بدن کے اعتبار سے اگرچہ کمزور تھے، لیکن اللہ کے دین کے معاملے میں بہت زیادہ قوی و مضبوط تھے۔ آپ خود کو بہت معمولی سمجھتے، لیکن اللہ کی بارگاہ میں آپ کا رتبہ بہت بلند تھا اور آپ لوگوں کی نظروں میں بھی بہت باعزت و باوقار تھے۔

آپ نے کبھی کسی کو عیب نہ لگایا، نہ کسی کی غیبت کی اور نہ ہی کبھی لالچ کیا، بلکہ آپ لوگوں پر بہت زیادہ شفیق و مہربان تھے۔ کمزور وناتواں لوگ آپ کے نزدیک محبوب اور عزت والے ہوتے، اگر کسی مال دار اور طاقت ور شخص پر ان کا حق ہوتا تو انھیں ضرور ان کا حق دلواتے، آپ کے نزدیک امیر و غریب سب برابر تھے۔ آپ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ مقرب و محبوب وہ تھا جو سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار تھا۔

آپ صداقت و راست گوئی کے حسین پیکر تھے۔ آپ کا فیصلہ اٹل ہوتا۔ آپ بہت مضبوط رائے کے مالک اور حلیم و بردبار تھے۔ آپ کی وجہ سے مشکلیں آسان ہوگئیں، آپ نے بھڑکتی آگ کو بجھا دیا، دین وایمان کو آپ کی وجہ سے تقویت ملی، اسلام اور مسلمانوں کو آپ کے طفیل ثبات قدمی حاصل ہوئی، یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آگیا اگرچہ کافر برا مانیں۔ آپ نے ان کی نگاہوں سے (کفر و جہالت کا) پردہ ہٹا دیا۔

اللہ کی قسم آپ ہم سب پر سبقت لے گئے، آپ کے بعد والے آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے آپ نے ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا اور اپنی منزل مقصود کو پہنچ گئے، بہت عظیم کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ اور اس شان سے دار آخرت کی طرف کوچ کیا کہ آپ کی عظمت کے ڈنکے آسمانوں میں بج رہے ہیں، اور آپ کی جدائی کا غم ساری دنیا کو رلا رہا ہے۔ إنا للہ وإنا إلیه راجعون. ہم ہر حال میں اپنے رب کے فیصلے پر راضی ہیں، ہر معاملے میں اس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ اے صدیق اکبر! رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی جدائی کا غم مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا غم ہے۔

آپ کی ذات مسلمانوں کے لیے عزت کا باعث، بہت بڑا سہارا اور جائے پناہ تھی۔ جب کہ منافقوں کے لیے کسی سخت دشمن سے کم نہ تھی۔ اللہ نے آپ کو اپنے نبی ﷺ

سے ملا دیا۔ اللہ ہمیں آپ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، ہمیں آپ کے بعد صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور گمراہی سے بچائے۔ إنا لله وإلا إليه راجعون.

لوگ حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی بات خاموشی سے سنتے رہے، جب آپ خاموش ہو گئے تو لوگوں نے زارو قطار رونا شروع کر دیا، اور سب نے (بہ یک زبان ہو کر) کہا: اے داماد رسول ﷺ! آپ نے بالکل سچ فرمایا۔[1]

عبد الباقی ابن قانع نے فرمایا: ابو محمد حسن بن طاہر علوی کو مجھ سے لگاؤ تھا۔ میں ان کے پاس گیا تو کہنے لگے: وہ حدیث جو حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے وصال کے دن تشریف لائے اور ان کی خوب تعریف و توصیف کی، کیا یہ روایت صحیح ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ کہنے لگے: لکھ کر دو، میں نے لکھنے کا وعدہ کر لیا، پھر جب گھر واپس آیا اور بستر پر لیٹا تو سوچنے لگا اور دل ہی دل میں کہا: یہ علوی ہے اگر میں اسے لکھ کر دے دوں تو میرے اور اس کے درمیان کی مدت ختم ہو جائے گی، پھر مجھے یہ مناسب لگا کہ نہ لکھوں، اور اس کا علم صرف اللہ تعالی کو ہے۔ پھر جب میں صبح کی نماز پڑھ کر اپنے گھر آیا تو دیکھا کہ ابو الفضل عبد السمیع ہاشمی دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کر رہے ہیں۔ میں نے کہا: اندر تشریف لائیے، مگر وہ نہیں آئے اور کہا تم ہی باہر آ جاؤ، میں باہر آ گیا۔ کہنے لگے: رات کیا ہوا تھا؟ میں نے ہنس کر کہا: آپ حیرت انگیز بات پوچھ رہے ہیں، آپ کو کیا معلوم ہے؟۔ فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم دونوں مسجد نبوی میں موجود ہیں، نبی اکرم ﷺ ایک تخت پر تشریف فرما ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد میں الگ الگ حلقہ بنا کر بیٹھے ہیں۔ ہم دونوں جا کر اس مجلس میں بیٹھ گئے جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ موجود تھے۔ میں نے سلام کیا تو انھوں نے جواب دیا مگر تمھارے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے عرض کیا: اے خلیفۂ

---

(١) کتاب الحدائق فی علم الحدیث والزہدیات، باب ذکر ثناء علي علی ابي بکر، ص: ٣٤٦، ج:١، دار الکتب العلمیہ، ١٤٠٨ھ/١٩٨٨ء، طبعہ اولی۔

رسول ﷺ! انھوں نے آپ پر تہمت نہیں لگائی، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا: لیکن انھوں نے بیان کرنے میں کوتاہی سے کام لیا۔ تو میں نے اسے لکھ لیا اور لے کر آگیا، اور لوگوں تک اسے پھیلانے لگا۔[1]

یہ صحیح حدیث ہے اور افضلیت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ پر صریح نص، محل نزاع میں حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی جانب سے کھلا بیان ہے۔ اور یہ حدیث شارح ہے اس حدیث کی جسے ابن مطہر نے گزشتہ سند کے ساتھ روایت کیا۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول: ”إمامان عادلان مقسطان كانا على الحق والحق معهما.“ دونوں امام (شیخین) عادل و منصف تھے، حق ان کے ساتھ تھا اور وہ حق کے ساتھ۔

ہمارا قول وہی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ہے اور ہمارا عقیدہ بھی وہی ہے جو آپ کا عقیدہ ہے۔ جس نے اس عقیدے سے انحراف کیا اور فضیلت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کا منکر ہوا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ کم سے کم ایسا شخص ہماری طرف سے جواب کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالی حق فرماتا ہے، وہی راہ راست کی ہدایت دیتا ہے، حسبنا الله ونعم الوكيل. والحمد لله رب العالمين، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين، والحمد لله وحده.

سب سے پہلے کون اسلام لایا؟

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ سب سے پہلے اسلام لائے حالاں کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا سب سے پہلے مسلمان ہوئیں، جب کہ ایک روایت کے مطابق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ (لہذا حضرت ابو بکر کے بارے میں سب سے پہلے اسلام لانے کا دعوی درست نہیں؟)

جواب: بلاشبہ اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں، لیکن جن احادیث میں حضرت

(۱) کتاب الحدائق، ص: ۳۴۸، ج: ۱۔

ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے پہلے اسلام لانے کا تذکرہ ہے، ان کی سند اصح ہے، اور ان سندوں کے راوی بھی زیادہ معروف و مشہور ہیں۔ اس بارے میں لوگوں کو جیسی باتیں معلوم ہوئیں وہ بیان کرتے ہیں، حالاں کہ حضور ﷺ کے ارشاد میں یہ واضح ہے کہ کون پہلے اسلام لایا اور کون بعد میں۔ چناں چہ سند صحیح کے ساتھ حضرت عمرو بن عبسہ سے مروی ہے کہ میں چوتھے نمبر پر اسلام لایا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ میں رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں آیا (اس وقت) مکہ میں کوئی آپ کی قدر نہ کرتا تھا۔ میں نے کہا: آپ کون؟ فرمایا: نبی، میں نے پوچھا: کس چیز کی طرف آپ لوگوں کو بلاتے ہیں؟ فرمایا: اللہ کی عبادت کرنے اور بتوں کو چھوڑنے کی طرف۔ میں نے پوچھا: اس بارے میں کوئی آپ کا اتباع کرتا ہے؟ فرمایا: ایک آزاد اور ایک غلام۔ (1) (آزاد سے مراد حضرت ابو بکر اور غلام سے مراد حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہما تھے)۔ (2)

تو یہ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کے سب سے پہلے اسلام لانے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی شہادت ہے۔ اور اس بارے میں بھلا آپ سے زیادہ باخبر اور جان کار کون ہو سکتا ہے؟ جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا اسلام اس وقت تلقین و تربیت والا تھا۔ اس لیے کہ اکثر حضرات کے نزدیک آپ نو سال کی عمر میں مسلمان ہوئے، اور ایک قول اس سے بھی کم عمر کا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پلے بڑھے اور آپ کے طرز عمل کو اختیار کیا۔ تو بچپن کی وجہ سے نہ تو آپ کو کوئی تکلیف دی گئی، اور نہ ہی آپ کے ساتھ کسی ناپسندیدہ امر کا ارادہ کیا گیا۔ اسکے ساتھ آپ ابو طالب کے بیٹے بھی تھے جو سردار قریش اور بنو ہاشم کے سرخیل تھے۔ تو ایسا کچھ ہوا ہی نہیں جس کی بنا پر آپ کو اپنے لڑکے کی حفاظت کرنی پڑتی۔

ابن دغنہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو امان دینا

جب کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے جب آپ

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب اسلام عمرو بن عبسہ، حدیث نمبر: ۸۳۲، دار الکتاب العربی۔

(۲) جب کہ آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ ہیں، اسی لیے کتب سیر و تراجم میں ان کے لیے لفظ "مولی" (آزاد کردہ غلام) کا ذکر ملتا ہے۔

کامل عقل مندی کی حد کو پہنچ چکے تھے۔ آپ قریش کے شیوخ اور علما میں سے تھے۔ آپ کی اپنی مجلس لگتی، لوگ بیٹھتے، عرب کی جنگوں کے متعلق باتیں کرتے، گزشتہ حالات پر باتیں ہوتیں۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی بات لوگوں میں مانی جاتی، راے اور مشورہ دینے میں آگے بڑھایا جاتا، قریش کے پسندیدہ فرد تھے۔ اب انھیں ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسلام لے آئیں، اور لوگوں کے دل ان کی وجہ سے اسلام کی طرف مائل ہو جائیں (اور اس طرح سے) ان کا دین و مذہب اکارت و برباد ہو جائے۔ لہذا وہ آپ کو مسلسل ستاتے رہے اور آپ پر ظلم و بربریت کے پہاڑ ڈھاتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کو اپنے اہل و عیال اور وطن کو چھوڑنا پڑا۔ تو آپ نے سفر کیا مگر ابن دغنہ نے آپ کو واپس مکہ لوٹا دیا۔ اور اپنی ذمے داری و نگہ داشت پر آپ کو روک لیا۔ اور قریش سے کہا: "ابو بکر جیسے انسان کو جلا وطن کرنا غیر مناسب ہے کیوں کہ یہ ایسا شخص ہے جو مہمانوں کی ضیافت کرتا ہے، محتاجوں کی مدد کرتا ہے، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتا ہے اور مصیبت و پریشانی میں کام آتا ہے۔" کچھ وقت تک تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ ابن دغنہ کے امان میں رہے، مگر پھر جب قریش نے اظہار دین اور اس پر ثبات قدمی میں آپ کی شیفتگی و دیوانگی کو ملاحظہ کیا تو انھوں نے ابن دغنہ سے آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی شکایت کی۔ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے ابن دغنہ کا امان یہ کہتے ہوئے لوٹا دیا کہ "میں اللہ عز و جل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے امان پر راضی ہوں"۔ (۱)

لہذا صحابۂ کرام میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جس نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے زیادہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا ہو اور مشرکوں کی ایذا رسانی پر صبر کیا ہو۔

والحمد للہ اولاً وظاهراً حمداً كثيراً، يوافی نعمه، و يكافئی مزيده.
وصلی الله علی محمد وآله وصحبه وسلم.

(۱) صحیح البخاری، باب جواز ابی بکر فی عهد النبی و عقده، حدیث نمبر: ۲۲۹۷، مطبع: المصدر السابق۔